خانقاہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ

ملّیہ

فیصل آباد پاکستان

ربیع الاول ۱۴۳۶ھ بمطابق جنوری 2015ء



کلمۃ الحبیب

پشاور میں بچوں کی شہادت کا نوحہ

انا للہ وانا الیہ راجعون

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

* مجالس سید الطائفہ قطب العالم قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ

تکمیل ودوامِ رسالتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا مجاہد الحسینی صاحب

* تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں — ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی
* تبلیغی جماعت کے بارے میں بعض شبہات اور ان کا ازالہ
* حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نصائح
* ڈوبتی کشتی کے مسافر — اوریا مقبول جان
* خواتین کے صفحات — خادمۃ القرآن

مدیر اعلیٰ وسرپرست

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

www.milliafsd.com

قطب الاقطاب حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرّہٗ

لب پہ درود

لَب پر دُرود ، دِل میں خیالِ رسُولؐ ہے
اب مَیں ہُوں اور کیفِ وصالِ رسُولؐ ہے

دائم بہارِ گُلشنِ آلِ رسُولؐ ہے
سینچا گیا لہُو سے نِہالِ رسُولؐ ہے

حُسنِ حَسَنؓ کو دیکھ ، حُسینؓ حسیں کو دیکھ
دونوں میں جلوہ ریز جمالِ رسُولؐ ہے

بُوبکرؓ ہوں ، عُمرؓ ہوں ، وہ عُثمانؓ ہوں یا علیؓ
چاروں سے آشکار کمالِ رسُولؐ ہے

اِسلام نے غُلام کو بخشی ہَیں عظمتیں
سَردارِ مؤمنین ، بلالِؓ رسُولؐ ہے

ہاں نقشِ پائے ختمِ رُسُل میرا تخت ہے
اور سَر کا تاج خاکِ نِعالِ رسُولؐ ہے

جامِ جمؔ اُس کے سامنے کیا چیز ہے نفیسؔ
جس کو نصیب جامِ سِفالِ رسُولؐ ہے

(شوال المکرم ۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۷ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے

خانقاہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ مِلّیہ

فیصل آباد پاکستان

ربیع الاول ۱۴۳۶ھ

شمارہ نمبر 3 جلد نمبر 11

بمطابق جنوری 2015ء

فہرست مضامین

بفیض

قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

امیر ثانی تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بیاد

حضرت مولانا انیس الرحمن لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیر طریقت حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ وسرپرست

حضرت مولانا ابن انیس حبیب الرحمن لدھیانوی صاحب

خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدیر: مولانا حماد الرحمن لدھیانوی

نائب مدیر: مولانا جواد الرحمن لدھیانوی

فی شمارہ 30 روپے

پاکستان میں سالانہ 300 روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 45 امریکی ڈالر

رابطہ کیلئے: ماہنامہ مِلّیہ جامعہ ملّیہ اسلامیہ

محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد پاکستان

041-8711569, 0321-6611910

ناشر: حبیب الرحمن لدھیانوی

مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد

کلمۃ الحبیب

پشاور میں بچوں کی شہادت کا نوحہ

انا للہ وانا الیہ راجعون

اہلیہ حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

میں امریکہ کی مخالفت کیوں کروں، میں یورپ کو طعنے کیوں دوں، میں اسرائیل کے مظالم پر کیوں چیخوں، میں بھارت کی کشمیر میں بربریت پر کیوں بڑبڑاؤں؟ اس لئے کہ میرا اپنا گھر اپنوں ہی سے محفوظ نہیں۔ پشاور میں ایک فوجی سکول پر حملہ ہوا ہے جس میں ڈیڑھ سو سے زائد بچے لقمۂ اجل بن گئے۔ وہ بچے جو قوم کا مستقبل تھے، وہ بچے جنہوں نے کل اس قوم کے لئے جان دینی تھی وہ آج ہی اُس جہان پہنچا دیئے گئے۔ پوری قوم افسردہ ہے، سوگ منایا جارہا ہے، ہر شخص کے چہرے پر اُداسی ہے۔ اس واردات میں کون ملوث ہے، باہر سے تو کوئی نہیں آیا، یہ اندر ہی کا معاملہ ہے، ہم لوگ اپنے ملک کے اندر کے مسائل کو حل نہیں کرسکے، ہم نے ہمیشہ اپنے اندورنی مسائل کے حل کے لئے باہر کی طرف ہی دیکھا ہے۔

میں بکھر چکا ہوں، میں اندر سے مر چکا ہوں، میری سوچنے اور سمجھنے کی صلاحتیں ختم ہوچکی ہیں، میں اپنے سامنے اندھیروں کے علاوہ کچھ بھی نہیں پاتا، میں متزلزل ہوچکا ہوں، میری بنیادیں کھوکھلی ہوچکی ہیں، میرے اندر ایک ہیجان برپا ہے، میں اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوں، میں خوف زدہ ہوں، میرا مستقبل تاریک تر ہوتا چلا جارہا ہے، میرا پُرسانِ حال کوئی نہیں، میں چیخنا چاہتا ہوں مگر چیخ نہیں سکتا، میں غم کا اظہار کرنا چاہتا ہوں مگر یہ نہیں ہورہا، میں کس کے سامنے غم کا اظہار کروں؟ اس ملک کے حکمرانوں سے، سیاستدانوں سے؟ میرے ملک کے سیاستدان تو اپنے مفادات کی خاطر اپنی دھرتی ماں کا سودا کرنے پر تلے ہوئے ہیں، میرے وطن کے فیصلے باہر ہوتے ہیں، میرے وطن کے پیسے باہر پڑے ہیں، میں اپنے وطن کے پیسے اپنی مرضی سے اپنے ہی وطن پر خرچ نہیں کرسکتا، میرا ملک گروی رکھا جاچکا ہے۔ میرے ملک پر غنڈوں کا راج ہے، میں قبضہ گروپوں میں پھنسا ہوا ہوں، میرے ملک میں

کسی کو انصاف نہیں ملتا، انصاف کا انتظار کرتے کرتے کئی نسلیں زیر زمین چلی گئیں۔

میرا ملک نظریاتی کشمکش کا شکار ہے، کوئی مذہب کے نام پر تو کوئی لبرل ازم کے نام پر اپنی اپنی ڈگڈگی بجا رہا ہے۔ میرا ملک اسلامی نظریہ کے نام پر بنا تھا، جس کے لئے لاکھوں افراد نے اپنا سب کچھ لُٹا کر ہجرت کی تھی، جس کے لئے ماؤں بہنوں بیٹیوں نے اپنی عزت کا نذرانہ پیش کیا تھا، جس کے لئے کئی ہزار مائیں بہنیں بیٹیاں ہندوؤں سکھوں کی اولادیں جننے پر مجبور ہو گئیں تھیں۔ جس ملک کے بننے پر کئی ہزار بچے نیزوں پر اُچھال دیئے گئے تھے۔ آج اُسی ملک میں بچوں کو بموں کی نذر کیا جارہا ہے، ماؤں کی گودیں اُجاڑی جا رہی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ طالبان نامی تنظیم یہ کام کر رہی ہے، اور انہوں نے اس قبیح کام کی ذمہ داری قبول بھی کر لی ہے، تو طالبان سنو!

اگر واقعی تم اس میں ملوث ہو تو ہم تمہاری اس اسلامی دہشت گردی کو دور ہی سے سلام کہتے ہیں "لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ" ہمارا دین بچوں عورتوں اور بوڑھوں پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا، ہمارے نبی کا فرمان ہے "مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا" کہ جو بچوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا تم پر نہیں۔ ننھے منے لاشے اُٹھانے کی ہم میں ہمت نہیں ہے۔ ہمیں اپنے ملک میں ایسے اسلام کی ہرگز ضرورت نہیں، ہمارے اسلاف نے کبھی بھی اس کی اجازت نہیں دی۔ دشمن تو یہی چاہتا ہے کہ تم یہی کچھ کرو تا کہ دین و اسلام کی رہی سہی جو رمق باقی ہے وہ بھی مسلمانوں کے دل سے نکل جائے۔ دوسر طرف میں پاکستان کے ان مقتدر اداروں سے بھی کہنا چاہتا ہوں، سنو!

پشاور کے فوجی سکول میں مرنے والے بچوں پر آج امریکہ، اقوام متحدہ اور نیٹو ٹسوے بہا رہے ہیں، تمہیں چاہیے کہ ان بچوں کے لاشے اُٹھا کر عالمی استعمار کے دفاتر کے سامنے لے جاؤ، اقوام متحدہ کے سامنے چیخو، نیٹو کے سامنے ماتم کرو! ان سے کہو کہ یہ لاشے تمہارا ہی دیا ہوا تحفہ ہیں، اس جنگ میں تم ہی نے ہمیں جھونکا تھا، تمہاری جنگ کو ہم نے ہار سمجھ کر پہن لیا، مگر یہ ہار ہمارے گرد شعلۂ جوالہ بن چکا ہے، ہم جب بھی اس جنگ سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ آگ ہمیں جُھلسا کے رکھ دیتی ہے۔ تمہاری جنگ لڑتے لڑتے ہم یہاں تک پہنچے ہیں کہ آج ہمارے بچے تک محفوظ نہیں۔ تم اگر باجوڑ کے علاقے میں نیٹو طیاروں سے ایک مدرسہ پر حملہ کر کے اس کے ۸۰/معصوم بچوں کو نہ مارتے، پھر یکے بعد دیگرے مختلف ڈراوَن حملوں سے بچوں کو نہ مارتے، تمہارے اشارے پر لال مسجد کی بچیوں کے بموں سے پرخچے نہ اُڑائے جاتے تو آج ہمیں یہ دن دیکھنے نصیب نہ ہوتے۔ تمہارے

ہی اس طرزِ عمل سے بچوں کے لئے انسانیت درندگی میں بدل گئی۔ تم نے اپنے طرزِ عمل سے بچوں کو بے قیمت کر دیا۔ تم اپنے آپ کو تعلیم یافتہ وتہذیب یافتہ کہتے ہو، تم اپنی تعلیم وتہذیب کو ہم پر مسلط کرنا چاہتے ہو، اس کام کے لئے ہمارے ملک میں اربوں ڈالر خرچ کر رہے ہو، مگر تمہاری تعلیم وتہذیب میں انصاف ورحم نام کی کوئی شئے نہیں۔

مگر ہمارے صاحب اقتدار لوگوں میں اتنی ہمت اور غیرت کہاں کہ یہ باتیں اپنے غیر ملکی آقاؤں سے کہہ دیں۔ انہیں تو اپنے اقتدار، اپنے کمیشن اور اپنے غیر ملکی بنک بیلنس بچانے سے فرصت ہی نہیں۔ ہمارے صاحبان اقتدار تو اپنے آقاؤں کے اشارۂ ابرو پر اپنے عوام کو پکڑ کے ان کے حوالے کرنے میں مستعد رہتے ہیں تاکہ انہیں ڈالر ملتے رہیں۔ اس کی تفصیل سابق صدر مشرف نے اپنی کتاب میں لکھ دی ہے۔ اس کے باوجود ہم سمجھتے ہیں کہ بچے سب کے مشترک ہوتے ہیں، چاہے دشمن ہی کے کیوں نہ ہوں۔

بعض لوگ اب یہ شکوہ بھی کرتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ نیٹو نے دینی مدارس کے بچوں اور بچیوں کو انسان کے بچے نہیں سمجھا اور انہیں بموں سے اُڑا دیا اور ہمارے صاحبان اقتدار پر جوں تک نہیں رینگی، ان کی طرف سے اس وقت کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں ہوئی، اور نہ ہی ان کی طرف سے اس پر کوئی یوم سوگ منایا گیا۔ اس کے باوجود میں کہتا ہوں! اس کا مطلب یہ نہیں کہ دین کا نام لینے والے وحشی بن جائیں۔ اپنے بچوں کا بدلہ قوم کے معصوم بچوں کو مار کر لیا جائے۔ اس طرزِ عمل کا تعلق نہ تو اسلامی تعلیم سے ہے اور نہ ہی تہذیب سے۔

سوال تو یہ ہے کہ جب صوبہ خیبر پی کے میں دہشت گردی عروج پر ہے، اور سکولوں پر حملے ہو رہے ہیں تو اس فوجی سکول کی حفاظت کیوں نہ کی گئی۔ وہ صرف اس لئے کہ اس سکول میں عام لوگوں یا عام فوجیوں کے بچے پڑھتے تھے۔ کیونکہ ہمارے حکمرانوں اور سیاستدانوں کے بچے یورپ اور امریکہ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ لوگ قوم کے بچوں کو اپنا بچہ سمجھتے ہی نہیں۔ قوم کے بچوں کے ساتھ کوئی بھی کیسا ہی سلوک کر جائے انہیں کیا پرواہ! انکے اپنے بچے تو غیر ملکی آقاؤں کے سائے میں محفوظ ہیں۔

جب سے ہمارے محترم چیف آف آرمی جنرل راحیل شریف امریکہ کا تفصیلی دورہ کر کے تشریف لائے ہیں، اور اس دورے میں جس انداز سے امریکہ نے جنرل صاحب کو یہ کہہ کر تھپکی دی ہے کہ ''پاکستان کی سلامتی کے لئے فوج سے بہتر کوئی ادارہ نہیں'' امریکی تھپکی کا مقصد فوج کو اپنے ہی ملک میں لڑنے کے لئے اُکسانا تھا، لگتا ہے کہ اُسی دن سے وہ قوتیں جو فوج کے خلاف صف آرا ہیں

انہوں نے فوجی صلاحیتوں کا اندازہ لگانے کے لئے فوجی سکول پر حملہ کر کے کوئی پیغام دیا ہے۔

یا یہ کہ ہمارا ملک جن حالات سے گزر رہا ہے، جس میں دھرنے جلوس احتجاج ہڑتالیں ملک بند کرنے کے کام ہو رہے تھے تو امریکہ کو اپنے مفادات خطرے میں نظر آ رہے تھے۔ اس لئے امریکہ نے فوجی جنرل کو تھپکی دی کہ اگر ضرورت پڑے تو اقتدار پر قبضہ کر لے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ان کے مفادات کی حفاظت فوج سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ لگتا ہے ہمارے چیف آف آرمی نام کے شریف کے ساتھ ذاتی طور پر بھی کچھ زیادہ ہی شریف ہیں۔ بچوں کا قتل کروا کر ملک کو انارکی میں دھکیل کر ہمارے شریف آرمی چیف کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ ملک اب سول حضرات کے چلانے کے بس کا نہیں، یہ بوجھ انہیں اب خود ہی اُٹھانا چاہیے۔

یا یہ کہ !۱۶ر دسمبر سقوط ڈھاکہ کی یاد دلاتا ہے، ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو ہندوستان نے مشرقی پاکستان کو ہم سے علیحدہ کیا، اور ہم نے اس دن ذلت آمیز شکست کے پروانے پر دستخط کیے۔ دنیا میں کامیابی کے دن کے سالانہ جشن کو بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔ ہر قوم کا جشن منانے کا اپنا منفرد انداز ہوتا ہے۔ ہندوؤں میں ہولی کا تہوار منایا جاتا ہے، چنانچہ ہندوستان نے نریندر مودی کی قیادت میں سولہ دسمبر کے دن کی کامیابی کا جشن پشاور میں فوجی سکول پر حملہ کر کے ڈیڑھ سو بچوں کے خون سے ہولی کھیل کر منایا۔ بعض لوگ اس دن کو پاکستان کا نائن الیون کہتے ہیں۔

اس حادثہ کے بعد ہمارے ملک میں برساتی مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ شروع ہو چکی ہے۔ ان کی باچھیں کھل گئی ہیں، منہ سے باہر سے ڈالروں کے حصول کے لئے رال ٹپکنی شروع ہو چکی ہیں، لمبی لمبی زبانیں اپنے احاطہ سے شعلوں کی طرح باہر آ رہی ہیں۔ اب وہ اپنے تجزیوں اور تبصروں میں وہی گھسی پٹی پرانی راگنی الاپ رہے ہیں، جس کی زَدْ میں سب سے زیادہ مذہبی طبقہ ہے۔ پھر خاص کر وہ تنظیمیں جن کو دہشت گرد کہا جا رہا ہے، اور پھر اس کی آڑ میں دینی مدارس کو کوسا جا رہا ہے، اور کہا جا رہا ہے یہ سب کچھ دینی مدارس میں پڑھایا اور سکھایا جا رہا ہے۔ مقصد یہی ہے کہ دینی تعلیم جیسی کیسی بھی ہے اُسے ختم کر دیا جائے، اس لئے کہ یہی تو غیر ملکی ایجنڈے کی تکمیل میں رکاوٹ ہیں۔ آجکل بیان دیئے جا رہے ہیں کہ یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہ غیر ملکی ایجنڈا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ملکی ایجنڈا آج تک کس نے دیا ہے، حکمرانوں سے لے کر حزب اختلاف تک سب ہی غیر ملکی ایجنڈے کو آگے بڑھانے میں مصروف ہیں۔ دوڑ لگی ہوئی ہے، ہر کوئی ایڑیاں اُٹھا اُٹھا کر داد و دولت طلب نظروں سے ملک سے باہر ہی دیکھ رہا ہے، اور ان کے حصول کے لئے بچھا چلا جا رہا ہے۔

کہا جا رہا ہے کہ دہشت گردی کے پیچھے مذہبی عنصر ہے، مذہبی جماعتیں ہیں، دینی مدارس ہیں۔لیکن آج تک ان کے متعلق کوئی شہادت پیش نہیں کی گئی، بلکہ مذہبی عناصر خود دہشت گردی کے خلاف جانیں دے کرشہادت پر پیش کررہے ہیں۔مولانا حسن جان شہید جو کہ ایک دینی مدرسہ کے شیخ الحدیث تھے اور بذات خود جہادی ہو کر بلکہ جہادیوں کے استاد ہو کر بھی دہشت گردی کے نظر ہو گئے۔قاضی حسین احمد مرحوم ببانگ دُہل جہادیوں کے علمبردار تھے مگران کی زندگی میں ان پر بھی جان لیوا حملہ ہوا۔مولانا فضل الرحمٰن جن کو طالبان اور جہادیوں کے سرپرست کہا جاتا ہےان پر چار جان لیوا حملے ہو چکے ہیں۔ابھی گزشتہ دنوں پہلے انہی کی پارٹی کے مولانا خالد محمود سومرو دہشت گردی کی نذر ہو چکے ہیں ان کی جان چلی گئی۔پورے ملک میں کتنے ہی مدارس کے مہتمم حضرات و اساتذہ کو موت کے منہ میں دھکیل دیا گیا۔بقول برساتی مینڈکوں کے کہ ''مذہبی جماعتوں اور دینی مدارس کے حضرات ہی ان لوگوں کے سرپرست ہیں'' تو پھر ہمارا سوال یہ ہے کہ یہ سرپرست کیوں مارے جا رہے ہیں،ان کو کون مار رہا ہے؟اس کے متعلق کوئی کیوں دور کی کوڑی نہیں لا رہا۔لگتا ہے کہ بات کچھ اور ہے جس کی پردہ داری ہے۔

خبروں میں بتایا جا رہا ہے کہ ۷ا دسمبر کو پشاور میں ملک کی تمام جماعتوں نے مل کر اس مسئلے سے نمٹنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی ہے جو کہ سات روز میں رپورٹ پیش کرے گی۔آخری خبروں کے مطابق حکومت نے ان تمام لوگوں کو پھانسی دینے کا اعلان کیا ہے جن پر دہشت گردی کی بنیاد پر عدالتوں نے سزائے موت تجویز کی ہے۔ابتدائی طور پر آرمی چیف نے فوجی عدالتوں سے سزائے موت پانے والوں کے ڈیتھ وارنٹ پر دستخط کر دیئے ہیں۔یہ شمارہ شائع ہونے تک کئی لوگوں کو پھانسی دی جا چکی ہوگی۔ہم اس کی مخالفت نہیں کرتے ،مگر سوچنے کی دعوت ضرور دیتے ہیں کہ موت کی سزا سے وہ ڈرتا ہے جس کو اپنی زندگی پیاری ہو۔مگر جو خودکش جیکٹ پہن کر نکلتے ہوں، مرنا مارنا جن کے لئے کوئی مسئلہ نہ ہو،ان کے لئے موت کی سزا کیا معنی رکھتی ہے۔

ہم نے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہے۔ہم نے اپنے ہر عمل کے رَدِّعمل پر بھی نگاہ رکھنی ہے۔امریکہ نے نائن الیون کے کسی ملزم کو اگر مارا ہے تو اپنے ملک سے باہر مقابلوں میں مارا ہے۔میری اب تک کی معلومات کے مطابق امریکہ نے نائن الیون کے کسی بھی ملزم کو اپنے ملک میں ابھی تک موت کی سزا نہیں دی۔اس وقت ہمارے ملک میں سب کے جذبات ایک جیسے ہی ہیں،لہذا ہم نے ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا ہے۔

مجالس سید الطائفہ قطب العالم قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ

بروز اتوار ۱۳؍ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ، ۱۱؍ اگست ۴۶ء

رات کی مجلس میں حضرت والاؒ نے رامپور کے تذکرہ میں اپنے زمانہ طالب علمی کے دیکھے ہوئے حالات بیان فرمائے۔

حضرت مولانا عبدالوہاب خان صاحب صدر انجمن تعمیر وطن ریاست رامپور کی طرف زیادہ مخاطب تھے فرمایا کہ میرے اپنے زمانہ طالب علمی کے دیکھے ہوئے حالات ہیں۔ پٹھان ایک دیہاتی سے مذاق کر رہے تھے کوئی اس کو کسی طرح پریشان کرتا تھا کوئی کسی طرح چھیڑتا تھا اور خوش ہوتا تھا۔ وہ دیہاتی بے چارہ کسمپرسی کے عالم میں کھڑا تھا جیسے قرآن پاک میں قوم لوط کے متعلق آتا ہے کہ وہ راستوں پر بیٹھ کر چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے اور لوط علیہ السلام کے روکنے سے بھی باز نہ آتے تھے ویسی ہی حالت تھی۔

اس وقت نواب رامپور نواب عبدالحامد خان تھے جو کہ عیاشی میں غرق تھے۔ مولوی جعفر علی خان صاحب والی مسجد کے پاس جھیوروں کا محلّہ ہے جو سرکاری شاہی باورچی خانہ میں نوکر جھیور تھے وہ بتایا کرتے تھے کہ رات کا کھانا تیار کر کے گرم رکھنے کیلئے صبح تک بیٹھے رہتے تھے۔ رات کو عیاشی سے فارغ ہو کر صبح تین چار بجے نواب کھانا کھاتا اور پھر سو کر شام کے چار بجے اٹھتا۔

اس کی رامپور کے مہمانوں نے تصدیق کی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ رنڈی نواب صاحب کے ہاں تھی اس نے جب سنا کہ نواب صاحب منظور نظر عورتوں سے ناراض بھی ہو جاتے ہیں اور بعض کو مروا کر بھُس کے ڈھیروں میں رکھ کر ناراضگی میں جلوا دیتا ہے کہ لاش کا نشان باقی نہ رہے اور بعض کو طرح طرح کا عذاب دے کر مروا دیتے ہیں کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں وہ رنڈی ڈری کہ کہیں میرا بھی ایسا ہی حشر نہ ہو تو دوڑ گئی اور علی گڑھ جا رہی تھی۔

نواب صاحب نے وہاں کے حکام کو گانٹھ کر اس پر دباؤ ڈلوایا اور اس کو خدشہ ہوا کہ جبراً نہ

اٹھالی جاؤں تو وہاں سے کسی کے بتانے پر نواب عبدالصمد خان یا شاید کوئی اور نام ہو اس کے پاس جا کر پناہ لی اور انہوں نے حالات سن کر پناہ دے دی کہ ضلع کے حکام پر ان کا بھی بڑا اثر تھا رنڈی کے بھڑیوں نے باتیں بنانی شروع کیں کہ اب نواب رامپور کرلے کیا کرتا ہے۔

نواب رامپور نے ایک شخص بزرگ کو اس کام پر لگایا اور انہوں نے یا نواب نے ایک خوب صورت انگریزی دان ہوشیار نوجوان کو وہاں بھیجا اور اس نے آ کر رنڈی کے برابر مکان کرایہ پر لیا اور رنڈی سے اپنے تعلقات اتنے بڑھائے کہ وہ اس پر اعتماد کرنے لگی۔ رنڈی کو انگریزی گانے سیکھنے کا بھی بڑا شوق تھا۔

اس نے اس لڑکے کو اپنا استاد انگریزی زبان سیکھنے کا بنالیا۔ اب ایک جگہ جو ضلع مراد آباد میں تھی اور وہاں جانے کیلئے قریبی راستہ ریاست میں سے جاتا تھا۔ رنڈی گانے گئی وہیں اس کا یہ استاد لڑکا بھی تھا۔ وہاں اس کو ایک گانے پر دوسو روپیہ ملا تھا۔ وہاں سے تار آیا کہ فوراً گانا گانے آؤ۔ اور ایک اور رنڈی کو ہمراہ لاؤ۔ چار سو روپیہ ملے گا۔ طمع کا منہ کالا۔

لالچ میں آ کر رنڈی تیار ہوگئی بھڑوے نے ایک رنڈی ہمراہ لی اور یہ استاد لڑکا بھی اپنے گاؤں جانے کے بہانے سے ساتھ ہولیا اور اس راستے لے گیا جو ریاست رامپور میں سے گزرتا تھا۔ آگے پولیس موجود تھی۔ نشے والی اشیاء کی دیکھ بھال کے بہانے پولیس والے ایک تمباکو وغیرہ کی گولیاں کی وجہ سے کہ یہ نشی چیز ہے تھانہ لے گئے۔ آگے وہ حضرت بزرگ صاحب بیٹھے تھے۔ جن کو دیکھتے ہی رنڈی پہچان گئی اور بے ہوش ہوکر گرگئی۔ ہوش میں لانے کی تدابیر کی گئیں اور اس کو تسلی دلاسا دے کر وہ بزرگ صاحب رنڈی کو نواب کے ہاں لے گئے، جس کے صلہ میں ان کو انعام واکرام دیا گیا اور نوجوان انگریزی دان استاد لڑکے کو تحصیل دار بنادیا گیا اور بھڑیوں کی بڑی درگت بنائی گئی۔ ان کے پاخانے کے مقام کھونٹے گڑ دادیئے گئے۔

طرح طرح سے ذلیل اور سزا دیئے گئے اور دوسری رنڈی کا تو پتہ بھی نہ چلا کہ کیا ہوئی۔ نواب پہلے تو ناراض ہوا پھر بزرگ کے کہنے سننے سے رنڈی سے راضی ہوگیا اور یہ سب سے پہلے بات بنا رکھی تھی کہ یوں کرنا ہے۔ ایسے ہی بہت حالات تھے جو اس زمانہ میں ہم نے سنے تھے۔ رامپور کے مہمانوں نے بھی حضرتؒ کے دریافت کرنے پر ان واقعات کی تصدیق کی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک صاحب تھے جن سے جبراً ان کی بیوی کو طلاق دلائی گئی کہ اس پر نواب صاحب فریفتہ ہوگئے تھے اور بے چارے غیرت کے مارے ریاست سے چلے گئے تھے۔ مہمانوں نے بتایا کہ وہ بریلی چلے گئے اور یہ بھی بتایا کہ ان بزرگ کو انعام ملا تھا۔ حضرت والاؒ نے فرمایا میں وہیں تھا کہ نواب کی لڑکی پیدا ہوئی تھی اب نام تو میرے یاد نہیں۔ تو مہمانوں نے بتایا کہ وہ لڑکی اسی عورت سے پیدا ہوئی تھی اور شہزادی بیگم نام ہے۔

حضرت والاؒ نے فرمایا کہ اکثر ریاستوں کا ایسا ہی حال ہے۔ رامپور میں ہم نے جو سنا اس زمانہ میں کسی معزز شخص کی عزت محفوظ نہ تھی۔ اب خبر نہیں کیا حال ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ کوشش کر کے ریاستوں میں کونسلیں وغیرہ بنوالیں جس طرح ولایت میں پارلیمنٹ ہے اور ضلعوں میں لوگوں کے نمائندوں سے ڈسٹرکٹ بورڈ بنتا ہے۔ مہمانوں میں سے مولوی عبدالوہاب خان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اب وہ حالات تو نہیں پہلے سے بہت فرق ہے۔

مگر اب بھی بڑے مظالم ہیں لوگوں کا مطالبہ تو اب یہی ہے اور میں بھی اسی کوشش میں ہوں۔ چنانچہ میں اس کام میں بدنام بھی ہوں اور ڈرتا ہوا حضرت سے عرض بھی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ حضرت کہیں ناراض نہ ہوں۔ اپنی عدیم الفرصتی عرض کرنے کے سلسلہ ڈرتے ڈرتے حضرت سے عرض کیا ہے کہ ہم نے ایک انجمن اسی غرض بنائی ہے۔ مجھے اس انجمن کے سلسلہ میں جو کام کرنا پڑتا ہے اس کی وجہ سے فرصت کم ملتی ہے۔ اب حضرت نے جو فرمایا ہے یہ سن کر دل کو اور بھی تقویت ہوگئی۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے یہ تو بہت اچھا کام ہے میں اس کام کی وجہ سے ناراض نہیں بلکہ خوش ہوں لوگوں کو دلیری کرنی چاہیے۔

حضرت والاؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ریاست رامپور، پٹیالہ اور بہاولپور کے حالات تو ہم نے خود سنے ہیں اور ریاستوں کا بھی اکثر ایسا ہی حال ہوگا۔ لوگوں کو ہر جگہ اصلاحات کی کوشش کر کے انتظام کونسلوں کے ذریعہ اپنے ہاتھ لے لینا چاہیے (نیز فرمایا) ہمارے ان مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے دادا تھے۔ جب میں پڑھ کر گیا ہوں تو ان کو گھر جا کر دیکھا کہ ان کو بواسیر کا مرض تھا اور سخت بواسیر تھی کہ وہ ہر وقت بے حد بے قرار رہتے اور کہا کرتے تھے کہ پاخانہ کی جگہ گویا انگارہ رکھا ہوا ہے۔ ہر وقت ایسی جلن سوزش رہتی ہے اگر تھوڑ دیر کو کم ہوتی تو دست آ کر پھر وہی حال ہو جاتا ہے۔ حالانکہ بڑے نفیس طبع تھے۔

مگر نجاست میں مجبور ہوکر ہر وقت ملوث رہتے تھے اور ہر وقت شدید تکلیف سے بے قرار رہا کرتے تھے۔ وہ اپنی جوانی میں کاٹھیاواڑ کی ریاستوں میں اچھے ملازم رہے وہ ریاست جوناگڑھ میں بھی رہے۔ وہاں کے بھی ایسی واہی تباہی حالات سنایا کرتے تھے۔

میں نے ایک دفعہ ان سے دریافت کیا کہ آپ سچ بتائیں کہ آپ نے کیا سخت گناہ کیا ہے جس کا آپ کو یہ عذاب ہے ورنہ بواسیر کے مریض میں نے بہت دیکھے ہیں یہ حال نہیں دیکھا۔ وہ سچے آدمی تھے کہنے لگے کہ

جوناگڑھ کے رئیس کے ہاں ہم چار مصاحب تھے۔ بڑے رازدار اور رئیس کے بہت منہ چڑھے تھے۔ اس ریاست میں دستور تھا کہ شاہی خاندان میں جو لڑکے ہوتے ان کو ریاست سے ان کیلئے جاگیر مقرر کی جاتی۔ نواب صاحب نے کہا کہ اس طرح تو ریاست جاگیروں میں بٹ جائیگی۔ اس کے تدارک کیلئے ہم چاروں کے ذمہ یہ کام بھی لگا رکھا تھا کہ شاہی خاندان میں اگر کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو ہم اس بچے کو کسی نہ کسی تدبیر سے چرا لیتے اور قلعہ کی ایک گہری خندق تھی بچہ کو مار کر اس کی تہ میں گڑھا کھود کر نمک ڈال کر دبا دیتے تھے اور میں نے اس طرح کئی بچوں کو ٹھکانے لگایا ہے۔

حضرت والاؒ نے فرمایا کہ یہ سن کر میں نے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے دادا کو کہا کہ یہ عذاب تو آپ وہیں سے خرید کر لائے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے

مہمانوں سے رامپور والوں نے عرض کیا کہ حضرت اب بھی ریاست جوناگڑھ میں رئیس کے ۱۲۰۰۰ ہزار کتے ہیں۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے ادھر نہ لگایا ورنہ ہم خدا جانے کیا کیا کرتے۔

ان کو طاقت ملی ہے وہ یہ کرتے ہیں اور ہم کو ملتی تو شاید میں ان سے زیادہ آگے بڑھ جاتا۔ مولوی صاحب یہ خیال نہ کرو۔ ان بے چاروں کا کیا ہے ان کو طاقت ملی ہم کو نہ ملی ورنہ ان کو بھی مات کر دیتے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصلاح کی کوشش کا کام جو آپ کرتے ہیں وہ نہ کیا جائے۔

وہ بھی ضرور کرنا چاہیے۔ مگر محض اللہ واسطے اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اگر ان کی جگہ ہم ہوتے تو ان سے بھی زیادہ خرابیاں کرتے۔ مولوی حبیب اللہ صاحب نے ایک مثنوی کا شعر پڑھا۔

نفس ما کم تر از فرعون نیست

تکمیل و دوامِ رسالتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا مجاہد الحسینی صاحب

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے نبوت و رسالت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کر کے خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ختم کر دیا ہے۔ قرآنِ مجید کو آخری آسمانی کتاب، اسلام کو آخری مکمل دین اور اُمتِ مسلمہ کو آخری امت قرار دیا گیا ہے۔

چونکہ حضور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ سلم کو کسی خاص قوم، خاص علاقے، مخصوص حالات او رکسی ہنگامی ضرورت کے تحت مبعوث نہیں فرمایا گیا بلکہ آپ کو

وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ

یعنی تمام انسانوں کے نبی اور رسول کی حیثیت سے بھیجا گیا اور ''پیغمبر انسانیت'' کے اعزاز سے سرفراز کیا گیا ہے۔

اس لیے تمام انسانی مسائل خواہ اخلاقیات سے تعلق رکھتے ہوں یا تمدن و معاشرت سے، سیاسیات سے وابستہ ہوں یا اقتصاد و معیشت سے، ان سب میں آپ ﷺ ہی کی رشد و ہدایت کا مرکز، آپ کا اُسوۂ حسنہ مینارِ نور و مشعل راہ اور آپ ﷺ کی سنت کی پیروی کامیابی کا راستہ اور آپ ﷺ ہی کی اطاعت وفرمانبرداری ذریعہ نجات ہے۔

غرضیکہ نبوت و رسالت کی آپ ﷺ پر ہی تکمیل ہوئی اور آپ ﷺ ہی کی نبوت و رسالت کو تا قیامت دوام حاصل رہے گا۔

اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے چند بنیادی باتوں کا علم ضروری ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی تو جہاں اس کی مادی اور جسمانی ضروریات ملحوظ رکھی گئیں۔ وہاں روحانی تقاضوں اور جسم و روح دونوں کی غذاؤں کا خاص طور سے اہتمام کیا گیا، انسانی جسم کی غذا اور اس کے دیگر ضروریات کے لیے اس کرۂ ارض پر طرح طرح کے خوش ذائقہ پھل اور اجناس پیدا کیں۔

لیکن رُوح کی غذا اور اس کی نشو وارتقاء کے لیے حضراتِ انبیاء ورسل علیہم السلام کے سلسلے کا آغاز فرمایا اور نبوت ورسالت کے ذریعے انسانوں کی روحانی بالیدگی اور قلبی طمانیت کا سامان فراہم کیا۔ نیز اس کا سلسلہ وحی کے ساتھ منسلک کیا گیا تاکہ خالق اور مخلوق کے مابین معرفت اور پہچان کا ایک ربط اور تعلق قائم رہے۔

اسلام کی اصلاح میں اس رابطے اور تعلق کا نام نبوت ورسالت ہے۔ نبوت کے معنی خبر دینا، معلومات فراہم کرنا اور رسالت کا معنی پہنچانا اور بھیجنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عظیم الشان مقصد کے حصول کے لیے عام انسان نہیں بلکہ منتخب اور برگزیدہ شخصیات ہی موزوں ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ اس مقدس مقصد کی خاطر جن شخصیات کو مامور کیا گیا وہ نبی اور رسول کہلائے۔ یہ آپ منصب اور فرائض کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نمائندے اور مبعوث کی حیثیت سے سرفراز تھے۔ البتہ ان میں فرق یہ ہے کہ نبی پر باقاعدہ کوئی کتاب اور شریعت نازل نہیں ہوتی اور رسول پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب اور شریعت کا نزول ہوتا تھا۔ ان میں سے رسول اپنے دور میں نبوت ورسالت دونوں منصبوں پر فائز ہوتے تھے اور نبی کو اپنے دور کے رسول کے معاون کی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔

حضرت علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں نبوت ورسالت کی حقیقت واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

رسالت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات اور بندوں کے درمیان ایک قسم کے سفارتی نمائندے کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح کسی ملک کا سفیر اپنے حکمران کے احکام اور ہدایات پوری دیانت داری کے ساتھ دوسرے ملک کے باشندوں تک پہنچاتا اور انہیں ہر طرح کی معلومات فراہم کیا کرتا ہے اسی طرح نبوت ورسالت کے فرائض ہیں۔

گویا رسول، خالق اور مخلوق کے مابین سفیر اور رابطے کی حیثیت کا حامل ہوتا تھا، نبی اور رسول کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ صفات وکمالات اور محاسن سے سرفراز کیا تھا وہ اپنے دور کے تمام انسانوں سے فضل وکمال میں سب سے زیادہ خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک شخصیات تھیں، اس دور کا کوئی انسان بھی اپنے نبی اور رسول کے مماثل اور ہمسر ہرگز نہ ہوتا تھا۔

تسلسل نبوت کا اعلان

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک کے تمام انبیاء ورسول علیہم السلام کے تذکرے میں خاص طور سے بَعْدِہٖ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کے انبیاء کے حوالے سے فرمایا گیا ہے۔

اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ.

(النساء:۱۶۳)

بے شک ہم نے آپ کی جانب اسی طرح وحی نازل کی ہے جس طرح نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے نبیوں کی جانب وحی کی تھی۔

چنانچہ اسی طرح بعد میں جس نبی اور رسول کا تذکرہ آیا ہے اس میں یا تو اس سے پہلے کے نبی اور رسول کا حوالہ ہے یا بعدہٖ کے الفاظ آئے ہیں تا آنکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی الْکِتَابَ وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ. (البقرۃ:۸۷)

''یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد مسلسل اور بے در پے رسول بھیجے۔''

پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور آیا تو انہوں نے انبیاء ورسول سابقین کی طرح اعلان کیا کہ میں بھی اللہ کا نبی ورسول ہوں اور میں تمہیں ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا، قرآن حکیم میں ان الفاظ کے ساتھ تذکرہ ہے۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِیْ اِسْمُہٗ اَحْمَدَ. (الصّف:۶)

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک تو اپنے بعد آنے والے صرف ایک رسول کا ان کے اسم مبارک کے ساتھ تعین کیا اور دوسرا اس اعلان میں سلسلۂ نبوت ورسالت کی تکمیل کا لطیف اشارہ کیا گیا ہے۔

بہر نوع حضرات انبیاء ورسول علیہم السلام اپنے اپنے دور میں اپنی نبوت ورسالت کے اعلان کے ساتھ ساتھ اپنے سابقہ تمام انبیاء کی تصدیق بھی کرتے رہے اور اپنے بعد میں آنے والے انبیاء کی

خوشخبری دیتے رہے کہ یہ تسلسل جاری رہے گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ دین کی تکمیل کرتے ہوئے ساری کائنات انسانی کے لیے ایک ایسی کامل واکمل ذات اقدس کو اپنا آخری نبی و رسول بنا کر مبعوث فرما دیا جن کا اسم مبارک محمد اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔

پھر آپ کی نبوت و رسالت کو قوم اور ملک یا کسی خاص گروہ اور علاقے کی حد بندیوں میں محدود نہیں کیا بلکہ اس کے لیے ساری کائنات انسانی کو شامل کر کے اعلان فرمایا گیا۔

وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّ نَذِيۡرًا (سبا:۲۸)

''یعنی آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

نیز اس میں صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے کیئے گئے اعلان اور اس کے حکم پر ہی اکتفا نہیں بلکہ خود حضور خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کو بھی یہ ارشاد فرمایا گیا کہ آپ بھی اپنی رسالت کی وسعت و ہمہ گیری کا ان جامع الفاظ میں اعلان فرما دیجئے۔

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعًا. (اعراف:۱۵۸)

اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کے رسول کی حیثیت سے مبعوث ہوا ہوں،

اللہ تعالیٰ نے حضور سید المرسلین ﷺ کی ذات پر نبوت و رسالت کی تکمیل کرتے اور قیامت تک کے لیے آپ ہی کی نبوت و رسالت کو دوام عطا کرتے ہوئے قرآن کریم کی ایک اور آیت کریمہ میں دوسرے انداز میں ارشاد فرمایا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰـكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. (احزاب:۴۰)

''محمد (ا) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے مہر و خاتم النبیین ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں ایک خاص واقعے کی طرف اشارہ ہے جب حضور ﷺ نے زمانۂ جاہلیت کی مروّجہ رسم کہ منہ بولے یا لے پالک بیٹے کو حقیقی بیٹا تصور کرتے تھے اور اس کی بیوہ یا مطلقہ بیوی کے ساتھ نکاح حرام سمجھتے تھے۔ حضور رسول آخر الزماں ﷺ نے اس غلط رسم کو ختم کرتے ہوئے اللہ

تعالیٰ کے حکم سے متبنٰی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ سے نکاح کرلیا تو اس دور کے مشرکوں اور اسلام کے مخالفوں اور منافقوں نے طعن و تشنیع کی ایک مہم کا آغاز کر دیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی کہ منہ بولے بیٹے اور لے پالک اولاد حقیقی نہیں بن جاتی۔ بلکہ یہ تو لوگوں کے منہ کی باتیں ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی مرد کے باپ نہیں۔ آپ کی نرینہ اولاد بچپن میں ہی وفات پا گئی تھی، جب آپ کی کوئی نرینہ اولاد ہی موجود نہیں تو متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے۔ کیونکہ وہ حقیقی بیٹے کی مطلقہ نہیں ہے۔

اس نکاح اور نرینہ اولاد کے عدم وجود میں اس امر کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ جس طرح اُبوّت اور بُنُوّت یعنی باپ بیٹے میں وراثت چلتی ہے نبوت و رسالت میں یہ سلسلہ موجود نہیں ہے کہ باپ کے بعد مادی وراثت کی طرح بیٹا نبوت و رسالت کا وارث بن جائے گا۔ بلکہ یہاں پر اس حقیقت کا واضح الفاظ میں اعلان کر دیا گیا کہ اللہ کے رسول کی تو کوئی نرینہ اولاد ہی نہیں ہے۔ جو حقِ وراثت کی مدعی بن سکے۔ بلکہ یہ تو نبیوں کے خاتم ہیں۔ اب آخری مہر لگ گئی ہے کسی نئے نبی اور رسول کے آنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

علاوہ ازیں حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تکمیل اور تا قیامت دوام رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے کی معلومات کے لیے یہ بات خصوصاً قابل ذکر و فکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قران حکیم میں جہاں جہاں بھی حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا ہے ان آیات کریمہ میں کسی جگہ بھی انبیاء سابقین کی طرح من بعدہٖ کے الفاظ نہیں بلکہ مِنْ قَبْلِیْ یا مِنْ قَبْلِکَ کے الفاظ آئے ہیں۔ جیسا کہ آیات کریمہ ہیں۔

قُلْ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ o

کہہ دیجئے تمہارے پاس مجھ سے پہلے بھی رسول آئے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْ اِلَیْھِمْ. (نحل:۴۳)

اور آپ سے پہلے بھی ہم نے ایسے آدمی بھیجے جن کی طرف وحی بھیجی جاتی تھی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِکَ. (النحل: ٦٣)

اور ہم نے اپ سے پہلے بھی بہت سی امتوں کی طرف رسول مبعوث کئے تھے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. (آل عمران:۱۴۴)

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اللہ کے رسول ہی ہیں۔ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔

قرآن حکیم کی ایسی بہت سی آیات میں حضور رسول کریم ﷺ کے ذکر مبارک کے ساتھ قَبْلِکَ، قَبْلِهٖ یا قَبْلِیْ وغیرہ الفاظ حضور کی ختم نبوت اور آپ کی رسالت کی تکمیل ودوام کا واضح ثبوت اور بین استدلال ہیں۔

تکمیل نبوت ورسالت احادیث کی روشنی میں

حضور خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کی ذات اقدس پر رسالت کی تکمیل ہوگئی ہے۔اس کی تائید میں خود حضور ﷺ نے اپنی مختلف احادیث میں ارشاد فرمایا ہے،

چنانچہ مشکوٰۃ شریف کے ''باب فضائل سید المرسلین'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت درج ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

میری اور انبیاء سابقین علیہم السلام کی مثال ایک ایسے محل کی سی ہے جو نہایت خوبصورت بنایا گیا ہو۔مگر اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو۔لوگ اس محل اور خوبصورت عمارت دیکھ کر اظہار تعجب کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ کی جگہ کیوں چھوڑ دی گئی ہے۔سو میں نے آ کر وہ اینٹ کی خالی جگہ پر کر دی ہے اور یہ عمارت اب مکمل ہوگئی ہے اور انبیاء و رسول کی بعثت کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے۔ میرے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔

مسند امام احمد میں اسی مفہوم کی احادیث حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔جن میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مجھے دیگر انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے ان میں اوّل یہ کہ مجھے نہایت جامع گفتگو کی صلاحیت دی گئی ہے۔دوسری یہ کہ مجھے رعب کے ذریعے نصرت دی گئی ہے۔تیسری یہ کہ اموال غنیمت میرے لیے حلال قرار دیئے گئے ہیں، چوتھی یہ کہ میرے لیے پوری زمین اور اس سارے کرۂ ارضی کو مسجد اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔یعنی انبیاء سابقین کی طرح عبادت کے لیے کوئی جگہ مخصوص نہیں کی گئی ہے کہ اس مقام کے علاوہ کسی جگہ عبادت جائز نہ تھی، مگر میری شریعت میں

روئے زمین پر ہر جگہ اور ہر مقام پر نماز جائز اور عبادت کی جا سکتی ہے اور اگر وضو کے لیے پانی میسر نہ آئے تو ایسے خاص حالات میں مٹی سے تیمّم کر کے نماز ادا ہو سکتی ہے۔ پانچویں یہ کہ مجھے پوری مخلوق کے لیے رسول بنایا گیا ہے اور چھٹی یہ کہ میری ذات پر نبیوں کی بعثت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں بیہقی اور طبرانی نے ایک حدیث مبارکہ نقل کی ہے جس میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی اُمت نہیں۔

منکرین ختم رسالت کے خلاف جہاد

اسلام میں نبوت و رسالت کی تکمیل کے بعد اگر مخصوص حالات اور ہنگامی ضرورتوں کے تحت اجراء نبوت و رسالت کی معمولی گنجائش بھی ہوتی تو حضور خاتم الانبیاء ﷺ کی حیات مبارکہ میں جن جھوٹے اور کذاب مدعیان نبوت نے دعویٰ کیا تھا حضور سید المرسلین ﷺ ان کے خلاف فوجی مہم نہ بھیجتے اور مسیلمہ کذاب کے دعویٰ نبوت کا ذبہ کو ایک فکری نظری بحث یا فکر و تدبر کا اختلاف قرار دے کر صرف نظر سے کام لینے پر ہی اکتفا کرتے۔ بلکہ آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی زیر کمان ایک لشکر تیار کر کے مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا، اور حضرت خلیفۃ الرسول امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد اسلام دشمنوں کی سازش کے تحت منکرین زکوٰۃ کا فتنہ برپا ہو جانے کے باوجود حالات کی سنگینی اور نزاکت کا سہارا لے کر اس مہم کو روکنے یا ملتوی کرنے کے بجائے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کو اوّلیت دے کر مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ کر کے انکار تکمیل رسالت کے عنوان سے امت میں رونما ہونے والے فتنے کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔

حضور رسول آخر الزماں ﷺ کی ذاتِ اقدس پر تکمیل دین اور ختم نبوت و رسالت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے حضور پر اپنی آخری وحی میں حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا.

(المائدہ:۳)

”آج میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کر دی اور تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسندیدہ دین قرار دیا۔“

قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ دین اسلام کی تکمیل اور اتمامِ نعمت یعنی نبوت و رسالت کے ذریعے انسانوں کی رشد و ہدایت کا فریضہ انجام پذیر ہو گیا ہے اب شریعت اسلامیہ سب سے پسندیدہ ہے۔اس کے بعد نہ تا قیامت نزولِ وحی ہوگا۔نہ کوئی نبی اور رسول آئے گا، نہ امت مسلمہ کے سوا کوئی اور امت معرض وجود میں آئے گی۔

تکمیل دین اور دوام رسالت محمد ﷺ کی تائید اور اعتراف عظمت و فضیلت کے سلسلے میں ایک غیر مسلم کے نعتیہ کلام کے چند اشعار سماعت فرمایئے۔

شنکر اجاریہ نے کہہ تو دیا ہمہ اوست — پوچھا کیا معنیٰ ؟ تو تفصیل کسی سے نہ ہوئی
ہے نصاریٰ کو بھی دعویٰ کہ خدا تین میں ایک — ان کی وحدت کی بھی تاویل کسی سے نہ ہوئی
پھر دیانند بھی بولے تو کہا تین قدیم — ان کی توحید کی بھی تفصیل کسی سے نہ ہوئی
کامیاب اپنے دعاوی میں اک اُمی ہی رہا — باقی سب دعویٰ تھے تکمیل کسی سے نہ ہوئی

حضرت علامہ اقبال نے حضور محسن انسانیت ﷺ کی ختم نبوت اور تکمیل رسالت کے سلسلے میں کیا خوب ارشاد فرمایا ہے:

پس خدا برما شریعت ختم کرد — بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفل ایام را — او رسل را ختم ما اقوام را

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہم پر شریعت اسلامیہ کی تکمیل کر دی اور ہمارے رسول ﷺ کی ذات اقدس پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا، اس دنیا کی محفل کی صحیح رونق ہمارے ہی دم قدم سے ہے، حضور ﷺ کی ذات پر تو رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ہم پر ملت اور قوم اختتام پذیر ہو گئی۔ایک اور شاعر نے کیا اس کی خوب ترجمانی کی ہے۔

کرم سے جن کے ہوا دشت زندگی جل تھل
وہی ہیں ختم رسول، محمد کامل و اکمل
وصلی اللہ علیہ والہٖ واصحابہ وعلی ازواجہ وبارک وسلّم

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر **سب سے پہلا فتوائے تکفیر**

تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

ابن نفیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی — قسط 50

رئیس الاحرارؒ کی طرف سے عوام الناس سے امیر شریعتؒ کے لئے بیعت

گزشتہ شمارے میں ذکر کیا گیا تھا کہ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ پر ۱۹۳۴ء میں قادیان میں احرار کانفرنس میں کی گئی تقریر کی بنیاد پر مقدمہ قائم کیا گیا تھا۔ جس کے توڑ کے لئے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے بطور صدرِ احرار عوام الناس سے رابطہ مہم شروع کی۔ اس کے لئے انہوں نے دو قدم اٹھائے۔ پہلا یہ کہ انہوں نے اُس دور کے بڑے بڑے مشائخ سے رابطہ کیا، جن میں سرِ فہرست حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ سے اس سلسلہ میں خط وکتابت کی۔ یہ خط وکتابت گزشتہ شمارے شائع ہوچکی ہے۔

رئیس الاحرارؒ نے اس سلسلہ میں دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو عوام الناس میں بطور امیر شریعت کے متعارف کرایا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے عوالناس سے امیر شریعت کے عنوان سے بیعت لی۔ اس کے متعلق جانباز مرزا ''حیات امیر شریعتؒ'' میں لکھتے ہیں:

> انہی دنوں مجلس احرار نے اعلان کیا کہ رمضان المبارک کا آخری جمعہ گورداس پور میں امیر شریعت پڑھائیں گے۔ اس اعلان کے ہوتے ہی پنجاب بھر کے مسلمان گور داس پور پہنچنے کے لئے پر تولنے لگے۔ حکومت پنجاب نے بھی ''جو شروع سے مسلمان اور قادیانیوں کے درمیان تماشائی تھی'' جمعہ کے اجتماع میں مداخلت مناسب نہ سمجھی۔ شہر سے باہر کھلے میدان میں نماز جمعہ کا انتظام کیا گیا تھا گورداسپور کی سرزمین اس روز اپنے مہمانوں کو سنبھالنے سے قاصر تھی، شہر کا دامن اپنی ساری وسعتوں کے ساتھ تہی دامنی کا شکوہ کر رہا تھا۔
>
> امیر شریعتؒ سر پر عربی طرز کا رومال باندھے ہاتھ میں کلہاڑی سنبھالے جب جمعہ کے خطبہ پر کھڑے ہوئے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے عربی شہسوار ہے جو ابھی گھوڑے سے

اُتر کر فوج سے میدانِ جنگ میں خطاب کر رہا ہے۔ زبان کی شیرینی کلام کی صورت میں بانٹی جارہی تھی، جس سے لاکھوں انسانوں کے دلوں کی جھولیاں بھر رہی تھیں۔ نظریں تھیں کہ امیر شریعتؒ کو چاٹ رہی تھیں۔ دل تھے کہ بلیوں اچھل رہے تھے، اور امیر شریعت تھے کہ لاکھوں انسانوں کے جذبات سے کھیل رہے تھے۔

نماز سے فارغ ہو کر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے امیر شریعتؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تجویز پیش کر دی، جسے امیر شریعتؒ نے قبول کر لیا۔ ایک ایک آدمی اگر بیعت کے لئے آتا تو ہفتوں گزر جاتے، مگر امیر شریعتؒ نے حکم دیا کہ میرے رومال کے ساتھ ایک پگڑی کو گرہ دے لو اور پھر اس سے تولئے، رومال، چادریں اور پگڑیاں باندھتے جاؤ، جس کا ہاتھ ان کپڑوں سے لگ جائے وہ میری بیعت میں اپنے کو داخل سمجھے۔ بس پھر کیا تھا، لاکھوں انسانوں کے سروں پر پگڑیوں، چادروں، تولیوں اور رومال کا ایک جال بُن دیا گیا۔ (حیات امیر شریعت، صفحہ ۱۲۶۔۱۲۷)

بات اتنی سادہ نہ تھی جو کہ جانباز مرزا مرحوم نے بیان کر دی۔ اصل میں اس بیعت کے پیچھے ایک بڑی منظّم قسم کی منصوبہ بندی تھی۔ یہ بیعت چونکہ رئیس الاحرارؒ کے حکم پر ہوئی تھی، اس لئے مناسب یہی ہے کہ اس سلسلہ میں ان کا موقف بھی بلا کم و کاست بیان کر دیا جائے۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اپنے ایک مکتوب ''جو کہ انہوں نے حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے بڑے فرزند مولانا محمد ازہر مرحوم کے نام لکھا تھا'' اس کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے، اس میں لکھتے ہیں:

۱۹۳۵ء میں شاہ جی (بخاری) پر ایک ابتلاء گورداسپور کے مقدمہ کی شکل میں آ گئی۔ جو کہ ان پر ۱۹۳۴ء میں قادیان کانفرنس میں اشتعال انگیز تقریر کرنے کے الزام میں بنایا گیا تھا۔ مقدمہ کا مدعی بہت مضبوط تھا، یعنی قادیانی گروہ اور اس کے پیچھے انگریز گورنمنٹ، تیسری بات یہ کہ جج بھی غیر مسلم۔ چونکہ یہ مقدمہ سیاسی نوعیت کا تھا اس لئے اس کے ساتھ سیاسی طریقہ ہی سے نمٹا جاسکتا تھا۔ اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ باہر سے ایسا دباؤ بڑھایا جائے کہ جج کوئی فیصلہ کرنے کے وقت یہ سوچے کہ جس شخصیت کے خلاف مقدمہ چل رہا ہے اس کے خلاف فیصلہ دیتے وقت سیاسی اور قومی سطح پر کیا نقصان ہوسکتا

ہے۔ چنانچہ اس کے لئے میں نے دو کام کئے۔

پہلا یہ کہ میں نے اس وقت کے ان تمام مشہور مسلمان بزرگوں کو خطوط لکھے جن کا حلقہ اثر بہت وسیع تھا، جس میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ،اور حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری دامت برکاتہم شامل ہیں۔ حضرت اقدس رائے پوری کی خدمت میں میں بذات خود حاضر ہوا۔ حضرت نے بڑی ہی الحاء وزاری سے دعا کروائی، نیز اپنے متوسلین سے بھی ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کے لئے زور دیا۔

دوسرا یہ کہ اس معاملہ پر میں نے مجلس احرار کے سرکردہ حضرات کو لاہور میں بلایا۔ جس میں چوہدری افضل حق مرحوم، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا مظہر علی اظہر اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری شامل تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا اس وقت مجلس احرار کے ترجمان کی حیثیت سے پورے ہندوستان میں طوطی بولتا تھا۔ میں نے سب حضرات کے سامنے صورت حال کو رکھ کر کہا کہ شاہ جی کے مقدمہ میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ان کو مجلس احرار میں کوئی ایسا عہدہ دیا جائے جس سے ان کی حیثیت کا وزن بن جائے اور اس کی وجہ سے جج فیصلہ کرنے کے وقت یا تو بری کر دے یا کم از کم سزا دے۔ اس کے لئے میری تجویز یہ ہے کہ شاہ جی کو مجلس احرار اسلام کا امیر بنا دیا جائے، میں مجلس احرار کی صدارت سے مستعفی ہوتا ہوں۔ میری اس تجویز پر سب لوگ حیران و پریشان ہو گئے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب تو اس بات پر باقاعدہ مجھ سے لڑنے پر اُتر آئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ امارت چھوڑیں گے تو مجلس احرار کی کیا حیثیت رہ جائے گی۔ اور ساتھ یہ دھمکی بھی دی کہ ایسی صورت میں، میں مجلس احرار چھوڑ دونگا۔ اللہ جزائے خیر دے شاہ جی (بخاری) کو کہ وہ عہدے کے لالچ میں کبھی نہیں پڑے۔ میں نے کہا کہ اگر میری یہ تجویز آپ لوگوں کو پسند نہیں تو میری دوسری تجویز یہ ہے کہ شاہ جی کی امارت کے لیے عوام الناس سے براہ راست بیعت لی جائے۔ اس پر چوہدری افضل حق نے کہا کہ ایک جماعت میں دو امیر کیسے ہو سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ

شاہ جی کے لئے کسی دوسرے عنوان سے بیعت لی جاسکتی۔اور یہ امارت جماعتی عہدے سے علیحدہ تصور کی جائے گی، جماعت رہے نہ رہے شاہ جی ہمیشہ اسی عہدے پر رہیں گے۔شاہ جی کی اہمیت کو اُجاگر کرنا مقدمہ پر اثر انداز ہونے کے لئے بہت ضروری ہے۔میں نے ان کو یاد دلایا کہ ۱۹۲۹ء میں لاہور میں حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی موجودگی میں سینکڑوں علماء نے شاہ جی کی بیعت بھی کی ہے۔تو شاہ جی (بخاری) نے کہا کہ وہ بات اب پرانی ہوچکی ہے۔میں نے کہا کہ اسی بیعت کو نئے انداز میں متعارف کرایا جاسکتا ہے۔اس کے لئے میری تجویز یہ ہے کہ ''امیر شریعت'' کے عنوان سے عوام الناس سے ان کی بیعت لی جائے۔جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ طبقہ جو مجلس احرار کے ساتھ نہیں ہے وہ بھی شریعت کے نام پر بیعت کرلے گا۔میں نے کہا کہ جس طرح بہار میں ''امیر شریعت'' کا خطاب کسی مولانا بہاری کو دیا جاتا ہے اسی طرح پنجاب میں ''امیر شریعت'' کے عہدے کے لئے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی بیعت لی جائے۔شاہ جی (بخاری) مطمئن نہیں تھے مجھے کہنے لگے بھائی صاحب میں اس کا اہل نہیں ہوں جو بوجھ آپ مجھ پر ڈال رہے ہیں وہ میں نہیں اُٹھا سکتا۔میری چونکہ شاہ جی سے بے تکلفی تھی اس لئے میں نے کہا آپ کچھ نہ بولیں یہ میرا بحیثیت صدر مجلس احرار فیصلہ ہے۔اس پر شاہ جی خاموش ہوگئے۔باقی سب حضرات نے بھی مجھ پر یہ کام چھوڑ دیا۔

شاہ جی پر مقدمہ چونکہ گورداسپور کی عدالت میں چل رہا تھا اس لئے میں نے اس کام کے لئے گورداسپور کا ہی انتخاب کیا۔چنانچہ میں نے مشورہ کرکے گورداسپور میں رمضان المبارک میں جمعۃ الوداع کا دن شاہ جی (بخاری) کی بیعت کے لئے مقرر کردیا۔اور اعلان کروادیا کہ تمام مسلمان جمعۃ الوداع سرکاری پریڈ میدان میں ادا کریں۔ستّر اسّی ہزار مسلمان سرکاری پریڈ میدان میں جمع ہوئے اس میں شاہ جی نے جمعہ پڑھایا۔میں نے مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہان پوری اور مولانا ابوالوفاء صاحب شاہجہان پوری دونوں کو مقرر کردیا کہ وہ لوگوں سے شاہ جی (بخاری) کے لیے بیعت لیں، چنانچہ ان دونوں نے لوگوں سے شاہ جی کے لئے ''امیر شریعت'' کے نام پر بیعت

لی، لیکن خود بیعت نہیں کی۔

بیعت کے عمل سے فارغ ہونے کے بعد رئیس الاحرارؒ اور امیر شریعتؒ نے فرمایا کہ کل سے ہر شخص اپنے اپنے گھر پہنچ کر ایک ایک پوسٹ کارڈ پر اپنا نام اور پتہ لکھ کر مجلس احرار اسلام کے دفتر کے پتہ پر بھیج دے۔ لوگوں نے اتنی تعداد میں خطوط بھیجے کہ ان سے بڑے سائز کی سات بوریاں بھر گئیں۔ ۲۳؍مارچ ۱۹۳۵ء کو جب امیر شریعت عدالت میں پہنچے تو قادیان کا خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود بھی اپنی شہادت دینے آیا تو تو امیر شریعتؒ نے خطوط کی بھری ہوئی سات بوریاں عدالت کے سامنے پیش کیں، جو بیعت کرنے والوں نے اطلاعاً لکھے تھے، تاکہ حکومت اور خلیفہ قادیان کو معلوم ہو سکے کہ امیر شریعت کے روحانی مریدوں کی تعداد بھی کئی لاکھ تک ہے۔

امیر شریعتؒ کے خلاف فیصلہ

مجسٹریٹ درجہ اوّل گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا، جس نے جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کیس کی سماعت کے بعد یہ فیصلہ دیا۔

''میں ملزم کو زیر دفعہ ۱۵۳(الف) تعزیرات ہند حضور ملک معظم کی رعیت کے دو فریقوں میں یعنی احمدیوں اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان نفرت ڈلوانے کے الزام میں مجرم قرار دیتا ہوں۔ فیصلہ کے متعلق اس بات کا پورا احساس رکھتے ہوئے کہ یہ تقریر ایک تبلیغی کانفرنس میں ہوئی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ چھ ماہ قید بامشقت اس کے لئے کافی ہوگی پس میں ملزم کو چھ ماہ قید بامشقت کی سزا دیتا ہوں۔ اس کے ساتھ بی کلاس کے قیدیوں کا سا برتاؤ کیا جائے''۔

دستخط سکھانند......مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور مورخہ ۳۵-۴-۲۰

سزا کے خلاف اپیل اور اس کا فیصلہ

چنانچہ اس سزا کے فیصلہ کے خلاف سیشن کورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی، جس پر امیر شریعتؒ کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ مقدمہ کی پیروی کے لئے بخاری ڈیفنس کونسل قائم ہوئی جو چار وکلاء پر مشتمل تھی۔

(۱)۔ مولانا مظہر علی اظہر ایڈووکیٹ (۲)۔ شیخ شریف حسین پلیڈر (۳)۔ شیخ چراغ الدین (جو بعد میں پنجاب ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے) (۴)۔ لالہ پشاوری مل ایڈووکیٹ۔ مرزائیوں کی جانب سے چوہدری سر ظفر اللہ خاں اور ان کے بھائی چوہدری اسد اللہ خاں پیروکار تھے۔

فیصلہ

جج کا فیصلہ چونکہ طویل ہے اس لئے اس فیصلہ کا آخری پیرا یہاں درج کیا جاتا ہے۔

’’مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مرافعہ گزار احمدیوں پر تنقید کرنے میں حق بجانب تھا۔ تاہم میرے خیال میں اس نے قانون کی حدیں توڑ دیں۔ اگرچہ مرافعہ گزار نے اصطلاحی جرم کا ارتکاب کیا ہے تو بھی قانون کی ہمہ گیری کا تحفظ ضروری معلوم ہوتا ہے۔‘‘

اس مقدمے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے اور سامعین پر اس تقریر کے اثرات کا اندازہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مرافعہ گزر نے تعزیرات ہند ۱۵۳ (الف) کے ماتحت ارتکاب جرم کیا ہے اور اس کے جرم کو قائم رہنا چاہئے۔ سزا کی کمی اور بیشی کا اندازہ کرتے وقت یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان واقعات کو پیش نظر رکھا جائے جو قادیان میں رونما ہو رہے تھے۔ چنانچہ میں اس کی سزا میں تخفیف کرتے ہوئے اسے تا اختتام عدالت قید محض کی سزا دیتا ہوں۔

۶ جون ۱۹۳۵ء۔ دستخط جی۔ ڈی۔ کھوسلہ سیشن جج۔ گورداسپور

(تلخیص حیات امیر شریعت)

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی بیعت اوّل

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امیر شریعتؒ کی اُس بیعت کا بھی ذکر کر دیا جائے جو مارچ ۱۹۲۹ء یا ۱۹۳۰ء میں انجمن خدام الدّین لاہور کے اجلاس میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی سرپرستی میں ہوئی تھی۔ اور اس بیعت کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر شریعت بنایا۔ ہم یہاں کوئی نئی بحث شروع نہیں کرنا چاہتے، ہم صرف واقعات کو حقیقی لڑی میں پرونا چاہتے ہیں تاکہ اگر کسی کے دل میں کوئی خوش فہمی یا غلط فہمی ہے وہ دور ہو جائے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اللہ تعالیٰ نے وہ سربلندی عطاء فرمائی تھی کہ ہندوستان میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اگر ان کو امیر شریعتؒ نہ بھی بنایا جاتا تب بھی ان کی شہرت اور عزت پر کوئی اثر نہ پڑتا۔ کیونکہ

ان کی سحر بیانی کا کوئی ثانی نہیں تھا۔اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آج تک برصغیر میں خطابت میں ان کا متبادل پیدا نہیں ہوا۔امیر شریعت کا انتخاب تو ہندوستان کی ریاست بہار میں بھی ہوتا چلا آ رہا ہے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے،ایک کے بعد دوسرا منتخب ہو جاتا ہے،مگر اس لقب کا تعلق کے ان ہاں صرف ان حضرات کی زندگی تک رہتا ہے،ان کے انتقال کے بعد دوسرے صاحب امیر شریعت بنا دیئے جاتے ہیں۔اور پہلے مرحوم امیر شریعت کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔مگر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی امارت شرعیہ اس مقام کی ہے کہ اس میں ثانویت کا نام نہیں ۔ ہر صورت میں اس کی اوّلیت و اولویت باقی رہے گی،یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد آج تک پاکستان میں کسی کو امیر شریعت کا لقب نہیں دیا گیا،بلکہ اگر کسی نے کسی بزرگ کے لئے کوشش بھی کی تو وہ کامیاب نہیں ہوئی ۔ مجھے یاد ہے کہ مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ جب صوبہ سرحد (جو کہ آجکل خیبر پختون خواہ کہلاتا ہے) کے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے تو صوبہ پنجاب میں ان کے بڑے بڑے استقبال ہوئے۔ایک استقبالیہ ان کو فیصل آباد میں بھی دیا گیا۔اس کا جب دعوت نامہ شائع ہوا تو اس میں حضرت مفتی صاحب کو اور القاب دینے کے ساتھ امیر شریعت کا لقب بھی دیا گیا تھا۔یہ دعوت نامہ حاجی محمد ابراہیم لدھیانوی مرحوم نے شائع کیا تھا،اور انہی کے کارخانے میں استقبالیہ تھا۔حاجی صاحب کا چونکہ راقم کے والد حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ سے گہرا تعلق تھا،اس لئے سب سے پہلا دعوت نامہ والد صاحب کے پاس خود لے آئے۔دعوت نامہ پڑھتے ہی والد مرحوم نے حاجی صاحب کی سرزنش کی،فرمایا کہ یہ کیا،امیر شریعت تو صرف عطاء اللہ شاہ بخاری ہیں،آپ نے مفتی محمود صاحب کو بھی امیر شریعت بنا دیا۔اس پر حاجی صاحب نے کہا کہ شہر کے علماء کے مشورہ سے یہ دعوت نامہ بنایا گیا ہے۔والد صاحب نے فرمایا کہ ان علماء کو میرے پاس لاؤ پھر میں دیکھتا ہوں کہ وہ کس بنیاد پر حضرت مفتی صاحب کو یہ لقب دے رہے ہیں،اور ساتھ ہی فرمایا کہ میں اس شرط پر آؤں گا کہ دعوت نامے سے یہ لقب نکال دیا جائے۔حاجی صاحب چونکہ مال دار بھی تھے فوراً دوسرا دعوت نامہ تیار کروایا،جس میں سے امیر شریعت کا لقب نکلوا دیا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی بیعت اوّل کے متعلق مختلف روایات ہیں۔

(۱):۔امیر شریعتؒ کے ایک جانثار ساتھی جانباز مرزا مرحوم نے اس واقعہ کو اس انداز میں

بیان کیا ہے:

مارچ ۱۹۳۰ء کے آخری دنوں لاہور میں انجمن خدّام الدّین کا سالانہ اجتماع منعقد ہوا، جس کی صدارت دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت علامہ انور شاہ صاحب کاشمیریؒ نے فرمائی۔ وقت اور حالات کی موجودگی میں علماء ہندوستان کا یہ تاریخی اجتماع تھا۔ دوسرے علماء کے ساتھ شاہ جی بھی جلسہ گاہ میں پہنچے۔ حضرت انور شاہ صاحب فرما رہے تھے:۔ دین کی قدریں بگڑ رہی ہیں، کفر چاروں طروف سے یلغار کر چکا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اپنے لئے ایک امیر کا انتخاب کرنا چاہیے، اس لئے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو منتخب کرتا ہوں وہ نیک بھی ہیں اور بہادر بھی۔ اس وقت تک انہوں نے فتنہ شاتم رسول اور شاردا ایکٹ کے سلسلے میں جس جرأت اور دلیری سے دین کی خدمات انجام دیں ہیں ،آئندہ بھی ان سے ایسی ہی توقع ہے۔

کہہ کر حضرت انور شاہ صاحب نے اپنے دونوں ہاتھ شاہ جی کی طرف بڑھائے ،اور شاہ جی نے اپنے دونوں حضرت شاہ صاحب کے ہاتھوں میں دے کر فرمایا:۔آپ یہ نہ سمجھیں کہ حضرت نے میرے ہاتھ پر بیعت کی بلکہ حضرت نے مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمالیا ہے"۔ یہ کہہ کر شاہ جی زاروقطار رونے لگے اور ان کا سارا جسم کانپنے لگا۔ اس کے بعد باقی علماء جن کی تعداد پانچ صد تھی، اس وقت شاہ جی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان میں مولانا ظفر علی خان، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا احمد علی لاہوری سر فہرست تھے۔ (حیات امیر شریعت صفحہ ۱۳۳۔۱۳۴)

(۲):۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگردِ خاص حضرت مولانا محمد صاحبؒ جو کہ اپنے نام کے ساتھ انوری نسبت لکھتے تھے" بھی اس مجلس میں موجود تھے، ان کا فرمانا ہے کہ:

۱۹۲۹ء کے مارچ کے مہینہ میں لاہور میں خدام الدّین شیرانوالہ گیٹ مولانا احمد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اجتماع کیا۔ اس میں حضرت مولانا ظفر علی خاں صاحب مرحومؒ، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ نے ولولہ انگیز تقریر کی۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے شیخ کو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہیے تو

حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔اور فرمایا کہ مظفر گڑھ کے جلسہ میں یہ عطاء اللہ صاحب بوقت شب میرے پاس آئے اور کہا کہ ''مجھے کچھ ذکر اذکار تلقین کیجئے، ہم نے ان کو کچھ پڑھنے کے لئے بتادیا۔پھر میں نے کہا کہ کچھ ردّ قادیانیت کے سلسلے میں سپاہیانہ خدمت کیجئے۔لہذا میں آپ صاحبان کے سامنے ان کو امیر شریعت مقرر کرتا ہوں۔آپ حضرات کو بھی ان کا اتباع کرنا چاہیے۔سید عطاء اللہ صاحبؒ کھڑے رو رہے تھے۔اور حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کے بھی آنسو جاری تھے، بلکہ تمام مجمع پر رقت کا عالم تھا۔ہمارے حضرت رائے پوریؒ بھی فرما رہے تھے کہ مولانا حبیب الرحمٰنؒ اور سید عطاء اللہ شاہ صاحبؒ کو حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہی نے رَدِ قادیانیت پر لگایا۔انوارِ انوری، صفحہ ۱۱۴۔۱۱۵)

(۳):۔حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ بانی جامعہ علوم اسلامیہ کراچی اور سابق امیر مرکزیہ مجلس تحفظ ختم نبوت جو کہ ''حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کے شاگرد بھی تھے'' وہ بھی اس مجمع میں موجود تھے'' اپنے ایک خطاب میں فرماتے ہیں:۔

مئی یا اپریل ۱۹۳۰ء لاہور کے اندر انجمن خدّام الدّین کا بہت بڑا اجلاس ہوا......میں وہاں پر اس سٹیج پر موجود تھا، اسٹیج پر مولانا مفتی کفایت اللہؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، اور مولانا ظفر علی خان وغیرہ سارے حضرات موجود تھے۔مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی بڑی زور دار تقریر ہو رہی تھی۔درمیان میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کھڑے ہو گئے اور لوگوں سے کہا تم تقریر سن رہے ہو، اور آج تم رو رہے ہو۔تمہارے رونے کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، آج جو تم کہہ رہے ہو، اگر یہ حق اور سچ ہے تو کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔اس کو اپنا امام بنادو ،اور ابھی بنادو، تاکہ سب اس کے پیچھے چلیں اور دین کے لئے کام کریں، سب لوگ کھڑے ہو گئے، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کھڑے ہوئے ہیں، اور ساتھ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی تقریر کر رہے ہیں، پھر مولانا ظفر علی خان کھڑے ہو گئے، اور مولانا ظفر علی خان نے تقریر شروع کر دی اور کہا میں اس مقصد کے لئے سب سے پہلے

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، اور خوب زور دار تقریر کی۔اس پر مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے کہا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں، حضرت مولانا انور شاہ یہاں تشریف فرما ہیں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہیے، اب مولانا انور شاہ کشمیریؒ بھی اسٹیج پر کھڑے ہوگئے، اب انہوں نے تقریر شروع کردی، ایک عجیب منظر تھا، حضرت شاہ صاحب نے تقریر میں فرمایا میں ایک بوڑھا ضعیف ہوں، میں اہل نہیں ہوں، میں اس مقصد کے لئے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر بناتا ہوں، اور میں خود ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔اب مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے۔عطاء اللہ شاہ بخاری رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں، خدا کے لئے مجھے معاف کردو، وہ رو رہے ہیں اور یہ ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں، اسٹیج پر ایک عجیب منظر تھا، خیر ہوتے ہوتے حضرت انور شاہ کشمیریؒ کی توجہات غالب آ گئیں، اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر بنادیا گیا تو سب سے پہلے بیعت ظفر علی خان نے کی، دوسری بیعت مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ نے کی، تیسری بیعت محمد یوسف بنوری نے کی۔

(سوانح مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مرتبہ مولوی محمد اسماعیل شجاع آبادی، صفحہ ۱۹۴۔۱۹۵)

(۴): گزشتہ دنوں نواسۂ امیر شریعت سید محمد کفیل بخاری صاحب" جو کہ ماشاء اللہ اپنے نانا کے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں، بلکہ اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ اگر وہ مجلس احرار کو سینے سے لگائے نہ بیٹھے ہوتے تو شاید احرار کی یہ صورت نہ ہوتی جو کہ آج ہے۔انہوں نے اپنے ماہنامہ "نقیب ملت" میں ایک تحریر ان الفاظ کے ساتھ شائع فرمائی ہے۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے سید الاحرار، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بیعتِ امیر شریعت کے تاریخ ساز واقعہ کی یہ خبر ممتاز محقق اور مولانا غلام رسول مہر مرحوم کے فرزند محترم امجد سلیم علوی کی عنایت ہے۔ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان کی لائبریری میں اپنے تحقیقی کام کے دوران روزنامہ "الجمعیت" دہلی کا ایک شمارہ ان کے زیر مطالعہ آیا۔یہ ۵/اپریل ۱۹۳۰ء کا شمارہ ہے، جس کے صفحہ ۷

کالم ۱،۲،۳ پر یہ خبر شائع ہوئی ،اُن کے بقول خبر کے اختتام سے اندازہ ہوتا کہ یہ ’’انصاف‘‘ سے لی گئی ہے۔

’’انصاف‘‘ روزنامہ ہے یا ہفت روزہ، معلوم نہیں ہوسکا۔ جناب امجد سلیم علوی نے فیس بک پر بھی اسے چسپاں کردیا ہے۔ان کے شکریہ کے ساتھ یہ تاریخی خبر ایک مستند حوالے کے ساتھ قارئین کی نذر ہے(مدیر)

مسلمانان پنجاب کی تنظیم

لاہور ۳۰/مارچ ۱۹۳۰ء کو انجمن خدام الدّین کے سالانہ جلسہ میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری تقریر فرمارہے تھے۔آپ نے دوران تقریر میں لوگوں سے سوال کیا کہ آیا وہ اس انگریزی تہذیب کے مقابلہ میں جو خمر دخنزیر سے پیدا کی گئی ہے، اسلامی تہذیب کو بہتر سمجھتے ہیں یا نہیں، اس پر دس بارہ ہزار کے مجمع کے مسلمانوں نے کہا کہ ’’ہاں‘‘ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارے اس کہنے میں کچھ صداقت ہے تو تم بتاؤ کہ تم اسلامی تہذیب کے قائم رکھنے کیلئے کچھ کرنا چاہتے ہو؟ تمام حاضرین نے کہا کہ بیشک جو کچھ آپ ہمیں حکم دیں گے ہم اس کیلئے تیار ہیں۔ اس مرحلہ پر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی ناظم جمیعۃ العلماء پنجاب نے کھڑے ہوکر لوگوں سے کہا کہ اگر تم سچے دل سے شاہ صاحب کا حکم ماننے کیلئے تیار ہو تو ان کے ہاتھ پر بیعت کرو اور انہیں اپنا امیر بناؤ۔ یہ جو حکم دیں اسے مانو اور جس سے منع کریں اس سے رُک جاؤ۔اس پر حاضرین نے کہا کہ ہم اسی وقت شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرنے کیلئے تیار ہیں۔شاہ صاحب خاموش ہوگئے اور دومنٹ کے بعد فرمایا کہ اگر حضرت استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا سید انور شاہ صاحب مدظلہ العالی مجھے اس کی اجازت دیں تو میں یہ کام کرنے کیلئے تیار ہوں۔ اس پر حضرت استاذ العلماء نے اسی وقت کھڑے ہوکر فرمایا کہ مجھے سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی دیانت اور کام پر اعتماد ہے انہوں نے قربانیاں کی ہیں، اس لیے میں خود ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کیلئے تیار ہوں۔ چنانچہ حضرت استاذ العلماء نے اپنا ہاتھ سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی طرف بڑھادیا۔اس پر سید عطاء اللہ شاہ صاحب نے اپنے دونوں

ہاتھ سید انور شاہ کے ہاتھوں میں دے کر رونا شروع کر دیا اور مجمع پر اس وقت ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ اس طریقہ سے حضرت موصوف نے سید عطاء اللہ شاہ صاحب کو لوگوں سے بیعت لینے کی اجازت دی۔ اسی وقت ہزار ہا لوگ شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ مولانا ظفر علی خاں صاحب نے بھی کہا کہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور انہیں اپنا امیر تسلیم کرتا ہوں۔ اور بھی ہزار ہا مسلمانوں نے بیعت کی خواہش کی لیکن سید عطاء اللہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ کسی دوسرے وقت یہ کام کیا جائے گا۔

شب کے اجلاس میں سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے فرمایا کہ آج جو صورت حال پیدا ہوگئی ہے اس کے متعلق میں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میں اس کا اہل نہیں۔ مجھ سے بہت زیادہ صاحب تقویٰ و علم حضرات یہاں موجود ہیں۔ میری خواہش ہے کہ یہ امانت کسی ایسے شخص کے سپرد کی جائے جو اس کا اہل ہو۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں خدمت سے پہلو تہی کرتا ہوں۔ اگر کوئی اور صاحب اس کیلئے تیار نہ ہوں تو میں جیسا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے تیار ہوں آپ حضرات کی دعائیں میرے شامل حال ہوں۔ اس کے بعد استاذ العلماء حضرت سید انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ جو کچھ آج ہوا ہے یہ محض سماوی طور پر ہوا ہے۔ میں ہر پہلو پر غور کرتے ہوئے سید عطاء اللہ شاہ صاحب کو اس کام کا اہل سمجھتا ہوں اور اگر مجھے اجازت دینے کا حق حاصل ہے تو میں انہیں اجازت دیتا ہوں۔

جلسے کے اختتام پر بعض علماء نے اصرار کیا کہ چونکہ ہمیں صبح واپس جانا ہے اس لیے ابھی ہم سے بیعت لے لی جائے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل علماء نے اسی وقت حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور آخر چند دیگر حضرات نے بھی ان علماء کرام کے بعد بیعت کی:

(۱)۔ مولانا عبد العزیز صاحب خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ۔ (۲) قاضی نور محمد صاحب خطیب جامع مسجد قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ۔ (۳) مولوی عبد الوحید صاحب

نائب مدیر اخبار زمیندار لاہور۔ (۴) مولوی عبدالحق صاحب ہزاروی مانسہرہ۔ (۵) مولانا محمد شریف صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہوشیار پور۔ (۶) مولانا محمد فاضل چکوال ضلع جہلم۔ (۷) مولوی عبدالواحد صاحب جامع مسجد گوجرانوالہ۔ (۸) مولوی عبدالرزاق صاحب ریاست بہاولپور۔ (۱۰) مولوی محمد عالم صاحب مانسہرہ ضلع ہزارہ۔ (۱۱) مولوی فتح محمد صاحب آزاد لورالائی۔ (۱۲) مولوی عبدالرحمٰن صاحب پشاور۔ (۱۳) مولوی عبدالجلیل صاحب ضلع ہزارہ۔ (۱۴) مولوی قمر علی صاحب مسجد آسٹریلیا بلڈنگ۔ (۱۵) حافظ فقیر محمد صاحب مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ۔ (۱۲) مولوی قمر الدین صاحب مدرسہ شمس العلوم ریاست بہاولپور۔ (۱۷) مولوی حکیم عبدالرشید چوہٹہ مفتی باقر لاہور۔ (۱۸) مولوی نور حسن صاحب گوجرانوالہ۔ (۱۹) رحمت اللہ صاحب جامع مسجد گوجرانوالہ۔ (۲۰) مولوی عبداللہ صاحب واعظ ضلع گجرات لوہاراں مشرقی۔ (۲۱) مولوی محبوب شاہ صاحب تحصیل تلہ گنگ ضلع کیمل پور۔ (۲۲) مولوی محمد اکبر صاحب فاروقی جامپور ضلع ڈیرہ غازی خاں۔ (۲۳) مولوی محمد یوسف صاحب پشاوری۔ (۲۴) مولوی عبدالستار صاحب پشاوری۔ (۲۵) مولوی مرید احمد شاہ صاحب ڈیرہ اسماعیل خاں۔ یہ فہرست بہت طویل ہے اس لیے انہی اسماء گرامی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ (انصاف)

ان چار تحریروں پر اگر غور کیا جائے تو ان میں سے تین تحریروں کا مفہوتقریباً یکساں ہے۔ جبکہ تحریرِ اوّل جو کہ جانباز مرزا مرحوم کی ہے، وہ بعد کی تینوں تحریروں سے مختلف ہے۔ جانباز مرزا مرحوم کی تحریر سے واضح ہے کہ وہ اس اجلاس میں موجود نہیں تھے، لگتا ہے کہ انہوں نے مختلف روایات سن کر یہ مضمون لکھا ہے۔ اسی لئے ان کی تحریر ان تینوں تحریریں سے مختلف ہے۔

نوٹ:۔ باقی ان تینوں تحریروں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے لئے بیعت کی تحریک بذاتِ خود حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے پیش نہیں کی تھی بلکہ رئیس الاحرارؒ کی تحریک و تجویز پر بیعت لی گئی۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ جو کہ اس کے محرّک تھے ان کا اس بارے میں کیا موقف ہے، وہ آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

(جاری ہے)

امام اسماعیل بن علی رازیؒ

﴿ ۳۷۱ھ تا ۴۴۵ھ ﴾

یہ حافظ فقیہ زاہد ابو سعد سمان اسماعیل بن علی رازی بصری ہیں۔

ولادت اور وفات

ولادت ۳۷۱ھ میں اور وفات ۴۴۵ھ میں ہوئی۔

وہ انساب کے جاننے والے ایک محدث، فرائض کے جاننے والے ایک فقیہ، تفسیر کے جاننے والے ایک مفسر اور قاری اور مضبوط علمی شخصیت تھے۔

مشرق سے لیکر مغرب تک دنیا کا سفر کیا اور علماء وشیوخ سے ملاقاتیں کیں۔

۷۴ سال کی عمر میں بغیر شادی کیے علم اور تالیفات سے آنکھیں ٹھنڈی کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

علمی کمال

حافظ عبد القادر ''الجواھر فی طبقات الحنفیہ'' میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ابو سمان اسماعیل بن علی بن حسین بن زنجویہ رازی جو کہ حافظ، زاہد، شیخ، عالم، فقیہ، متکلم اور ان کے محدث تھے۔ وہ قرأت حدیث، رجال، انساب، فرائض، حساب، شروط اور مقدرات کے بے نظیر امام تھے۔ اسی طرح وہ فقہ امام ابو حنیفہ میں اور امام شافعی کے مسائل شرعیہ میں اختلافات کے بھی وہ امام تھے۔ فقہ زیدیہ اور علم کلام پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔

وہ ابو الحسن بصری اور شیخ ابو ہاشم کے مذہب کے پیروکار تھے۔ حج بیت اللہ اور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت سے بھی وہ مشرف ہوئے۔

علمی اسفار اور اساتذہ

عراق، شام، حجاز اور بلاد مغرب کا انہوں نے سفر کیا اور اپنے زمانہ کے تقریباً تین ہزار شیوخ

سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

ابوالحسن مطہر بن علی مرتضی کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعد سمان کو کہتے ہوئے سنا کہ جس نے حدیث کبھی نہ لکھی ہو وہ اسلام کی حلاوت سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا۔ان کی مدح سرائی میں کہا جاتا تھا کہ انہوں نے خود اپنی نظیر نہیں دیکھی تھی۔

زہداور عبادت

ان فضائل علمیہ کے ساتھ وہ زاہد متقی رات کو مصلے پر کھڑے ہونے والے، دن کو روزہ رکھنے والے اور اللہ کے دیئے ہوئے پر راضی رہنے والے انسان تھے۔

زندگی کے ۴۷ سال تک انہوں نے کبھی کسی انسان کی پلیٹ میں ہاتھ نہیں ڈالا۔

سفر وحضر میں ان پر کسی کا کوئی احسان نہ تھا دنیا سے جانے کے بعد ان پر کسی کا کوئی حق نہ تھا۔انہوں نہ کسی کو کبھی مال میں کوئی تکلیف دی اور نہ اپنی زبان سے۔

انہوں نے اپنی زندگی کے اوقات تلاوت قرآن ، تدریس ، حدیث ،لوگوں کی اصلاح اور عبادت کے لیے وقف کر دیئے تھے۔

زندگی بھر جو کتابیں جمع کی تھی وہ کتابیں مرنے کے بعد تمام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیں ۔ان کی شخصیت تاریخ ساز تھی وشیخ الاسلام اور بقیۃ السلف والخلف تھے۔

مرض الموت کے ایام میں ان سے نماز وغیرہ میں سے کوئی فرض وواجب فوت نہیں ہوا۔

مرتے وقت منہ سے نہ لعاب نکلا اور نہ کپڑے گندے ہوئے اور نہ ہی ان کا رنگ بدلا۔

توبہ استغفار، تلاوت قرآن دائمی مشغلہ تھا۔ بہت سی تالیفات اپنے پیچھے چھوڑ گئے اور شادی کبھی نہ کی۔

دنیا سے وہ مسکراتے ہوئے گئے جیسے مسافر اپنے گھر کو لوٹتا ہے یا فرمانبردار نوکر اپنے مالک کی طرف لوٹتا ہے۔

تدفین

سن ۴۴۵ھ شعبان کی ۲۴ تاریخ کوری میں انتقال کیا اور امام محمد بن حسن شیبانی کے قریب مدفون ہوئے۔رحمہا اللہ تعالیٰ۔

تبلیغی جماعت کے بارے میں بعض شبہات اور ان کا ازالہ

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ تبلیغی جماعت میں عوام الناس کے ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوتے ہیں، علماء، طلبہ، تاجر، ملازم، کسان اور مزدور وغیرہ۔ اب ان میں سے ہر ایک شخص تو ایسا نہیں ہوتا کہ جس کی کامل اصلاح اور تربیت ہو چکی ہو، اسی لئے بعض اوقات ان میں سے کسی سے کوئی نامناسب حرکت سرزد ہو جاتی ہے تو بعض جذباتی حضرات فوراً اس فرد کی اس غلطی کو جماعت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ انصاف کے خلاف ہے۔ انصاف یہ ہے کہ یہ غلطی اس فرد کی طرف منسوب کی جائے نہ کہ جماعت کی طرف، کیونکہ جماعت خود اسے غلط سمجھتی ہے۔

ایک اسلامی ملک کے سفر کے دوران ملاقات ایک ایسے ادارے کے ذمہ دار شخص سے ہوئی جو انسدادِ منشیات کا سربراہ تھا۔ اپنے ادارہ کا تعارف کراتے ہوئے اس نے کہا کہ ہمارا کام یہ ہے کہ قانون اور سزاؤں کے ذریعہ نوجوانوں کو منشیات وغیرہ سے روکیں۔

اس سے کہا کہ: یہ بہت اچھی بات ہے۔ ملک میں ایسے قوانین اور سزائیں ہونی چاہئیں جن کے ذریعہ لوگوں کو منشیات اور دیگر جرائم سے روکا جا سکے، خصوصاً: اسکول اور کالج کے طلبہ کو جو مستقل کا سرمایہ ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک اور راستہ بھی ہے جس کے ذریعہ نوجوانوں کو منشیات و مسکرات کے استعمال اور بے راہ روی سے روکا جا سکتا ہے اور ملک کو ان جرائم سے پیدا ہونے والی مشکلات سے بچایا جا سکتا ہے؟

چنانچہ اس کی صورت یہ ہے کہ ان نوجوانوں کو دین کی راہ پر ڈال دیا جائے اور ان کے دلوں میں ایمان کی روح پیدا کی جائے، تاکہ وہ نیک اور صالح شہری بن جائیں اور خود بخود بلا کسی قانون اور سزا کے خوف سے منشیات اور بے راہ روی کو چھوڑ دیں۔ نہ ان سے کسی کا ناحق قتل ہو، نہ کسی کا مال لوٹیں، نہ کسی کی عزت پر حملہ کریں اور نہ ہی حکومت اور عوام کیلئے مسائل پیدا کریں، بلکہ اپنے فرائض نہایت ذمہ داری اور پوری امانت داری سے ادا کریں۔

مزید ان سے یہ کہا کہ: گزشتہ رات مجھے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپ کے شہر کے تبلیغی مرکز میں جانے کا اتفاق ہوا، جہاں نوجوانوں کا ایک بڑا مجمع تھا، جن کی اکثریت اسکول اور کالج کے اساتذہ اور طلبہ کی تھی، ان کے چہروں پر ایک نور اور وقار ہویدا تھا، جن سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ منشیات یا دیگر جرائم کا ارتکاب کریں گے۔

وہ صاحب کہنے لگے کہ: یہ بات بالکل صحیح ہے، ہم نے بھی دیکھا ہے کہ جو لوگ اس جماعت کے ساتھ جڑ جاتے ہیں، ان پر صلاح و تقویٰ کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور وہ منشیات یا دیگر جرائم سے دور بھاگتے ہیں۔لیکن ہمیں جماعت سے دو شکوے ہیں:

۱:۔ ایک یہ کہ جب کوئی ملازم پیشہ شخص ان سے متاثر ہو کر کچھ وقت ان کے ساتھ لگاتا ہے، مثلاً ایک چلہ۔تو بعض مرتبہ دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ شخص چلہ لگانے کے بعد اسی جماعت کا ہو کر رہ جاتا ہے، اسے نوکری کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ بیوی بچوں کی فکر۔ادھر دفتر والے پوچھ رہے ہیں، ادھر گھر والے پریشان۔

۲:۔ اسی طرح یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اسکول یا کالج کا جو طالب علم چھٹی کے دنوں میں جماعت کے ساتھ نکل جائے تو وہ تعطیلات ختم ہونے کے بعد بھی جماعت کے ساتھ چلتا رہتا ہے اور وہ اسکول چھوڑ دیتا ہے، اسے تعلیم کی فکر ہوتی ہے اور نہ والدین کی پرواہ۔

ان سے کہا: بے شک اس طرح کے اکا دکا واقعات ہمارے ہاں بھی پیش آتے ہیں، لیکن یہ انفرادی کوتاہیاں ہیں، ان کا جماعت کی پالیسی سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا ان کوتاہیوں کو ان افراد کی طرف منسوب کرنا چاہیے نہ کہ جماعت کی طرف۔

اس لیے کہ جماعت والے کسی ملازم پیشہ شخص یا طالب علم کو ہرگز نہیں کہتے کہ: تم اپنی ملازمت چھوڑ دو یا اسکول اور کالج کی تعلیم ترک کر دو اور جماعت میں لگ جاؤ، بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ: بھائی! رخصت کے ایام ہمارے ساتھ گزارو، پھر اخلاص اور دیانتداری سے اپنا کام کرو۔

پھر کہا کہ: ہمارے جامعہ کی مسجد میں ہر ہفتہ جماعت کا اجتماع ہوتا ہے، جس میں طلبہ اور محلّہ کے لوگ بیٹھتے ہیں اور جماعت ک کسی بزرگ کا بیان ہوتا ہے، ہم نے آج تک کسی کی زبان سے یہ نہیں سنا کہ وہ طلبہ سے کہیں کہ تعلیم چھوڑ دو اور جماعت میں چلو، بلکہ وہ تو انہیں خوب پڑھنے اور محنت کی

ترغیب دیتے ہیں، ہاں یہ ضرورت کہتے ہیں کہ جمعہ کی رات تبلیغ کے مرکز میں آجایا کریں، ۱۸۔۲۰ گھنٹوں کے لیے جماعت میں نکلیں، کیونکہ اس دن چھٹی ہوتی ہے اور سالانہ چھٹیوں میں ایک چلہ لگالیا کریں۔

اصل بات یہ ہے کہ معاشرے کے ہر طبقہ میں اکا دکا جذباتی افراد ہوتے ہیں، جن سے اس طرح کے غلط تصرفات صادر ہوجاتے ہیں، آخر آپ نے بھی تو ایسے ملازمین کا تذکرہ سنا ہوگا، جنہوں نے کسی دوسری وجہ سے جذبات میں آکر ملازمت چھوڑ دی یا ایسے طلبہ کا تذکرہ بھی سنا ہوگا جو اسکول یا کالج سے بھاگ گئے۔

لہٰذا ایسے تصرفات کی نسبت ان افراد کی طرف کرنی چاہیے نہ کہ جماعت طرف۔ کیونکہ جماعت کی یہ پالیسی ہرگز نہیں۔ وہ صاحب میری اس گفتگو سے کافی مطمئن ہوئے اور کہنے لگے کہ: واقعی عوام الناس کی اصلاح کا یہی صحیح طریقہ ہے۔

بعض مرتبہ ذہن میں شبہات اس لیے پیدا ہوتے ہیں کہ انسان شرعی احکام اور آداب سے ناواقف ہوتا ہے۔

اسی طرح کا ایک قصہ ہے کہ ایک عرب ملک میں مجھے ایک عرب نوجوان ملا، جب تبلیغی جماعت کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ: یہ جماعت بہت اچھا اور مفید کام کررہی ہے، مگر اس میں کچھ بدعات ہیں، جن پر مجھے اعتراض ہے!

میں نے اس نوجوان سے کہا کہ: آپ مجھے کسی ایک بدعت کی نشاندہی کردیجیے، تاکہ میں جماعت کے ذمہ دار حضرات تک آپ کی بات پہنچا سکوں۔

کہنے لگے: جب کوئی جماعت دعوت کے لیے نکلتی ہے تو کہتے ہیں: یہ ہمارا امیر ہے، حالانکہ یہ بدعت ہے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اعتراض یا اشکال اس کی دینی معلومات کی کمی کی وجہ سے ہے۔ اس لیے میں نے اس نوجوان سے پوچھا: آپ کہاں کام کرتے ہیں؟

کہنے لگا: میں وزارتِ اوقاف اور مذہبی امور میں کام کرتا ہوں۔

میں نے کہا: آپ کے دفتر میں کتنے ملازمین کام کرتے ہیں؟

کہنے لگا: اتنے ملازمین کام کرتے ہیں غالباً بیس سے پچیس تک بتائے۔

میں نے پوچھا: کیا ان ملازمین پر کوئی نگران بھی ہوتا ہے؟

کہنے لگا: ہاں! ایک مدیر ہوتا ہے جو ان کی نگرانی اور نظم قائم رکھتا ہے۔

میں نے کہا: کیا وزارتِ اوقات اور مذہبی امور میں یہ بدعت نہیں کہ یہ مدیر ہے، اور یہ موظفین ہیں؟

کہنے لگا: یہ بدعت نہیں، بلکہ یہ ایک نظام ہے، اور نظام کا تقاضا ہے کہ ایک ایسا ذمہ دار شخص ہو جو سب کی نگرانی کرے، تا کہ نظام صحیح چل سکے۔

اس پر میں نے کہا: برادر عزیز! اگر آپ اپنے شہر اور اپنے دفتر میں ہوتے ہوئے، جہاں چند ملازم کام کرتے ہیں اور ہر شخص کا کام بھی متعین ہے، اپنی یہ ضرورت سمجھتے ہیں کہ ایک ذمہ دار اور نگران ہو جو اس نظام کو صحیح چلا سکے، تو آپ خود سوچیں کہ جب ایک جماعت جو دس پندرہ انسانوں پر مشتمل ہو، دعوت کے لیے سفر پر نکلی ہو، کیا اس کو نظام کی ضرورت نہیں ہوگی؟ کہ ان میں ایک شخص ایسا ہو جو سب کی نگرانی کرے، ان میں نظم قائم کرے اور ان کے حالات پر نظر رکھے۔ جبکہ سفر میں اس کی ضرورت زیادہ ہے، کھانا پینا، نماز پڑھنا، سامان کی حفاظت اور دعوت کی ترتیب وغیرہ امور مستقل منتظم کے متقاضی ہیں۔ آپ اس نگرانی کا نام امیر رکھ دیں یا مدیر، نام سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس نوجوان نے سر ہلاتے ہوئے کہا کہ: آپ نے صحیح کہا، مجھے مسئلہ سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ: امیر بنانا نہ صرف جائز اور مباح ہے، بلکہ سنت اور آدابِ سفر میں سے ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ: جب ہم جماعت کی شکل میں سفر کریں تو اپنے لیے ایک امیر چن لیا کریں۔

بعض عوام اور غیر علماء سے دوران سفر ایک یہ اعتراض بھی سننے میں آیا کہ: جماعت نے چھ نمبر متعین کر کے باقی دین کے شعبوں کو چھوڑ دیا ہے، جب کہ دین زندگی کے سب شعبوں میں شامل ہے۔

یہ اعتراض بھی لاعلمی پر مبنی ہے، بے شک دین زندگی کے تمام شعبوں میں شامل ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ تقسیم کار بھی ایک فطری اور شرعی قاعدہ ہے، چنانچہ جس طرح کچھ لوگ پڑھنے پڑھانے، کچھ جہاد اور کچھ دیگر شعبوں میں کام کر رہے ہیں، ٹھیک اسی طرح تبلیغی جماعت کے بزرگوں

نے اپنی فراست اور تجربہ سے یہ چھ نمبر متعین کیے کہ ان سے افراد امت کی اصلاح اور ان کی زندگی میں انقلاب آئے گا، جب افراد امت کی تربیت اور اصلاح ہوگی تو پھر وہ زندگی کے جس شعبے میں بھی جائیں گے، وہ دین کے احکام پر چلیں گے۔ میرے سامنے ایک واقعہ اس کی واضح مثال ہے وہ یہ کہ:

ایک بار حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے پاس ایک رکشہ والا آیا اور آپؒ سے رکشہ، ٹیکسی کے کرایہ کے بارے سوال کرنے لگا اور بعض ڈرائیور جو میٹر وغیرہ خراب رکھتے ہیں یا سواریوں کے ساتھ دھوکا بازی کرتے ہیں، ان کے بارے میں پوچھنے لگا، حضرتؒ نے اس کے سوالات کے جواب دیے اور فرمایا: بھائی! آپ اتنے عرصہ سے رکشہ چلا رہے ہیں اور اب آپ کو حلال وحرام کا کیسے خیال آیا؟ کہنے لگا: حضرت جی! مجھے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور میں تبلیغی جماعت کے ساتھ جانے لگا تو مجھے حلال وحرام کی فکر ہوئی، کیونکہ اللہ کا حکم ہے، حلال کماؤ، حلال کھاؤ، حلال کھلاؤ اور حلال خرچ کرو، اس لیے میں نے یہ مسائل پوچھے تاکہ حرام سے بچوں۔

اس کے علاوہ امیر جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ملفوظات اور خطابات میں جابجا اس کا ذکر ہے کہ جو حضرات علم میں لگے ہوئے ہیں، وہ بھی دین کا کام کررہے ہیں، جو جہاد میں لگے ہوئے ہیں، وہ بھی دین کا کام کررہے ہیں، میں آپ کو اس کام میں لگنے کا کہہ رہا ہوں۔

بہرحال یہ چند شبہات اور ان کے جوابات بطور نمونہ پیش کردیے گئے ہیں، اگر کسی کو تفصیل معلوم کرنی ہو تو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی کتابیں: ۱:۔ تبلیغی جماعت پر چند عمومی اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات۔ ۲:۔ الاعتدال ۳:۔ فضائل تبلیغ، دیکھ لی جائیں۔

حاصل یہ ہے کہ میں اس جماعت کو مخلص سمجھتا ہوں، جس کا فائدہ حکومت اور عوام دونوں کو پہنچ رہا ہے۔ (ولا ازکی علی احداً) پھر یہ بات بھی یاد رکھی چاہیے کہ تبلیغی جماعت ایک کھلی ہوئی کتاب ہے، جس میں کوئی چھپی ہوئی چیز نہیں، ہر شخص قریب سے اس کتاب کو پڑھ سکتا ہے، جس کو جماعت کے بارے میں شک وشبہ ہو، اسے چاہیے کہ جماعت کے مراکز میں جائے، ان کے اجتماعات میں شامل ہو اور ان کے بیانات سنے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ ان کے ساتھ وقت لگائے اور دیکھے کہ وہ کیا کرتے ہیں؟ اسی طرح جماعت کے بڑوں سے ملے اور اگر کوئی اشکال یا اعتراض ہو تو ان کے سامنے پیش کرکے تسلی بخش جواب حاصل کرے۔

ڈوبتی کشتی کے مسافر

اوریا مقبول جان

چراغ جب بجھنے لگتا ہے تو آخری بار اپنے پاس موجود تیل سے شعلے کو یوں بھڑکاتا کہ پورے ماحول میں روشنی چھا جاتی ہے۔ ٹمٹماتی لو کے عادی لوگ ایک دم چونک پڑتے ہیں لیکن یہ روشنی صرف چند سیکنڈ کیلئے ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد گھپ اندھیرا چھا جاتا ہے۔ گزشتہ تقریباً ایک صدی سے دنیا کی سیاست، معیشت اور طرزِ زندگی پر راج کرتے امریکہ نے 2008ء کے معاشی بحران کے بعد اپنے قدموں میں جو لڑکھڑاہٹ پائی اسے ہزار جتن سے سبنھالنے کی کوشش کی لیکن سنبھل نہیں پا رہی۔ بیسویں صدی کے آغاز سے بھی چند سال پہلے اس نے دنیا پر سیاسی، معاشی اور فوجی بالادستی کا اغاز کر دیا تھا۔ فلپائن کو سپین کی غلامی سے نجات دلانے کے بہانے 1998ء میں داخل ہوا اور وہاں اپنے اڈے قائم کیے۔

پورے ملک کو خانہ جنگی کا تحفہ دیا اور اپنے فوجیوں کی عیاشی کیلئے منیلا کو دنیا بھر کیلئے قحبہ گری اور جسم فروشی کا مرکز بنا دیا۔ 1917ء میں روس میں کیمونسٹ انقلاب آیا تو امریکہ نے دنیا کو اس کی دست برد سے بچانے کا ٹھیکہ لے لیا۔ ابھی تو جنگ عظیم اول ختم ہوئی تھی۔ اپنے اردگرد جنوبی امریکہ کے ممالک پر امریکہ کی خونخوار نظریں جمی ہوئی تھیں۔ 1930ء کا معاشی بحران پوری دنیا کیلئے خوفناک تھا لیکن امریکہ کے پاؤں نہ ڈگمگائے۔

جنگ عظیم دوم تک اس کی معاشی، سیاسی اور فوجی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ ایک عفریت بن چکا تھا۔ جاپان پر ایٹم بم گرا کر اس نے دنیا کو خوفزدہ کیا اور یورپ کو تباہ حالی سے بچانے کیلئے مارشل پلان کے ذریعے امداد دے کر نیٹو کی پابندیوں میں جکڑ لیا۔ پورا مغرب امریکی معیشت کا غلام بن گیا۔

اس غلامی کی تصویراس وقت آئی جب فرانس کے صدر نے 1971ء میں امریکی صدر نکسن سے مطالبہ کیا کہ اس کے بینکوں میں جو فرانس کے دو ارب ڈالر پڑے ہوئے ہیں اس کے بدلے میں سونا دیا جائے کہ یہ ایک معاہدے کا حصہ ہے جو جنگ عظیم دوئم کے بعد 1945ء میں برٹن ووڈ میں ہوا تھا اور یہ کہا گیا تھا کہ تمام ممالک اپنی کرنسی کی مالیت کے برابر سونا اپنے پاس محفوظ رکھیں گے تاکہ مانگنے پر ادا کیا جا سکے۔

اس مطالبے پر صدر نکسن نے زور کا قہقہہ لگایا اور کہا تم کیا سمجھتے ہو یہ وعدہ پورا کرنے کیلئے کیا گیا تھا؟ اس کے بعد امریکہ نے سونا کے متبادل یعنی گولڈ سٹینڈرڈ کو ختم کر دیا اور اس کی جگہ ''حکومتی ساکھ(Goodwill of Country) کا لفظ ایجا کیا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اس معاشی قوت کے بل بوتے پر امریکہ نے پوری دنیا کو ایک ہیجانی جنگ کا شکار کر رکھا تھا۔ یہ جنگ کیمونسٹ شدت پسندی کے خلاف تھی۔ مشرق میں ویت نام سے شروع ہو کر مغرب مین چلی تک کتنے ملک تھے جو اس شدت پسندی کی جنگ میں خون میں نہا رہے تھے۔

امریکہ اسلحہ ساز فیکٹریاں دن دوگنتی اور رات چوگنی ترقی کر رہی تھیں اور خانہ جنگی کے شکار ممالک کے وسائل امریکہ اور اس کے حواریوں کے ہاتھ کوڑیوں کے مول بک رہے تھے۔ ان وسائل میں ایک اہم اور شاید سب سے بڑا اثاثہ تیل ہے جو دنیا بھر کی توانائی کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ مسلم امہ کی قسمت ہے کہ اس اثاثے کا بڑا حصہ اس کے پاس ہے۔ اسی تیل کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ سے عالمی معیشت کی ترقی وابستہ ہے۔ اس کی خرید و فروخت سے وابستہ کرنسی کی ساکھ مضبوط ہوتی ہے اور اس کی ترسیل کو یقینی بنانے کیلئے جنگ کے میدان کھولے اور سمیٹے جاتے ہیں۔

کیمونسٹ روس کے زوال کے بعد جو میدان سجایا گیا وہ اسلامی شدت پسندی کا تھا جسے دہشت گردی کا نام دیا گیا۔ کیمونسٹ روس کے ہم خیال ممالک یا علاقوں میں لڑی جانے والی جنگ اور اس جنگ میں ذرا برابر بھی فرق نہیں۔ نہ تکنیک مختلف ہے اور نہ ہی حربے۔ اس جنگ میں بھی افواج کو امریکہ میں تربیت دی جاتی، ان سے مراسم بڑھائے جاتے اور پھر ان کے جرنیلوں کے ذریعے چلی اور نکاراگوا جیسے بے شمار ملکوں میں فوجی انقلاب لایا جاتا، ہزاروں افراد لاپتہ ہوتے، لاکھوں قتل کیے جاتے۔

اذیت رسانی اور ٹارچر کے طریقوں کی تربیت باقاعدہ سی آئی اے ہیڈکوارٹر میں دی جاتی۔ اس جنگ میں کیمونسٹ گوریلوں کا خوف پوری دنیا پر مسلط کیا گیا تھا اور آج کل اسلامی شدت پسندی کے خلاف جنگ میں اسلامی دہشت گردوں سے دنیا کو ڈرایا جاتا ہے۔ کیمونسٹ گوریلوں کو سوویت روس یا دیگر ہم خیال ممالک سے امداد ملتی تھی لیکن اسلامی دہشت گرد تو نیٹو کے مقابلے میں بالکل اکیلے ہیں۔ بہت سی تھیوریاں پیش ہوئیں۔ ہم نے خود انہیں پروان چڑھایا ہے، ان کو منشیات کے کاروبار سے پیسہ ملتا ہے۔ چند ممالک اپنے مسلکی مفاد کی خاطر انہیں سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔ دنیا نے یہ ساری منطقیں تسلیم کرلیں اور طے کرلیا کہ دنیا کے امن کو اسلامی دہشت گردی سے خطرہ ہے۔ افغانستان اور عراق میں افواج اتریں، پڑوسی ملکوں نے اس خطرے سے بچنے کیلئے امریکہ کی امداد کی اور اپنی زمین امریکہ کیلئے پیش کی۔

13 سال کی اس جنگ نے جہاں لاکھوں انسانوں کا خون کیا وہیں دنیا کی معیشت کے پاؤں بھی ڈگمگا دیئے۔ شروع شروع میں عراق کے تیل اور عرب ریاستوں کی اسلحے کی خریداری نے اسے سہارا دیا لیکن 2008ء میں یہ ایسے ڈوبی جیسے شدید طوفان میں نرم شاخیں ڈوبتی ہیں۔ امیدیں قائم تھیں مشرق وسطیٰ میں جنگ جاری تھی۔ شام اور عراق کی خانہ جنگی امریکی معیشت کا خواب پورا کرسکتی تھی لیکن دس ارب ڈالر کی سرمایہ کاری سے پانچ لاکھ عراقی فوج جسے امریکہ دنیا کی بہترین تربیت یافتہ فوج تصور کرتا تھا صرف دس بارہ ہزار افراد کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھا گئی اور ایسے افراد کے ہاتھ تیل کے کنویں لگے جہاں سے بیس لاکھ ڈالر کا تیل روزانہ مارکیٹ میں آنے لگا۔ لیکن یہ کیا ہوگیا تیل کی قیمتیں اچانک گرنے لگیں کیا اس لیے کہ وہ لوگ تیل سستا بیچ رہے ہیں؟ نہیں بلکہ امریکہ نے اپنی گرتی ہوئی معیشت کو سنبھالنے کیلئے اپنے ترکش کا آخری تیر چلایا ہے۔ ترپ کا آخری پتہ کھیلا ہے۔ ترکش کا یہ آخری تیر صرف معیشت کو سنبھالنے کیلئے ہی نہیں بلکہ اس جنگ میں تھوڑی سی مخالف قوتوں کی معیشت تباہ کرنے کیلئے بھی چلا گیا ہے۔

امریکہ کی سرزمین میں تیل کے ذخائر کی بہت بڑی مقدار موجود ہے جسے Shale تیل کہا جاتا ہے۔

اس تیل کو امریکہ نے برے وقتوں کیلئے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ اس لیے کہ اس کو نکالنے کیلئے جو لاگت صرف ہوتی ہے اور جس طرح کی ٹیکنالوجی کا استعمال درکار ہوتا ہے اس سے تیل کی قیمت میں منافع کی امید بہت کم رہ جاتی ہے۔ اس کے باوجود اوکلوہاما کے وہ تیل کے کنویں اور شمالی ڈکوٹا اور ٹیکساس کے تیل کے سرمایہ کار اس تیل کو نکال کر مارکیٹ میں لا رہے ہیں۔

انہوں نے تقریباً بیس ہزار کے قریب ایسے کنویں کھودے ہیں جو سعودی عرب کے کنوؤں کی تعداد سے دس گناہ زیادہ ہیں۔ اس قدر تیل مارکیٹ میں آنے سے تیل کی قیمت 40 فیصد کم ہوگئی ہے۔ جون میں ایک بیرل تیل کی قیمت 110 ڈالر تھی جو گر کر 68 ڈالر ہو چکی ہے۔ جسے امریکہ پچاس ڈالر کی قیمت پر لانا چاہتا ہے تاکہ مرتی ہوئی معیشت کو پاؤں پر کھڑا کیا جائے اور ان ملکوں کو تباہی کی طرف دھکیلا جائے جن کا سارا دارومدار تیل کی برآمد پر ہے۔

ان میں روس ہے جس کی کرنسی روبل 30 فیصد گر چکی، ایران جس کو اپنا بجٹ مستحکم رکھنے کیلئے تیل 136 ڈالر بیرل کی قیمت چاہیے۔ اس نے یکم دسمبر کو روٹی کی قمت میں 30 فیصد اضافہ کیا، نائجیریا جس نے دو دسمبر کو تمام سبسڈی ختم کر دی اور وینزیلا نے 28 نومبر کو تنخواہوں میں کمی کا اعلان کر دیا۔ Shale تیل کے مارکیٹ میں آنے سے وہ تمام عرب ریاستیں بھی متاثر ہوں گی لیکن اس کا ایک فائدہ یہ تصور کیا جا رہا ہے کہ دنیا بھر کا جی ڈی پی بڑھ جائے گا معیشت مستحکم ہوگی۔

یہ ایک ایسا جواء ہے کہ اگر مارکیٹ نے تیل کی قیمت پچاس ڈالر فی بیرل سے نیچے گرا دی تو یہ دنیا ایک بہت بڑے بحران کا شکار ہو جائے گی جو اس پوری سودی معیشت کی عمارت کو دھڑام سے گرا دے گا۔ ایسے میں وہ تمام منصوبے، فتح کے وہ تمام افسانے، امریکہ اور نیٹو کی وہ بالا دستیاں سب خواب ہو کر رہ جائیں۔ چاروں جانب بحران ہے، خوف سے بھاگتے امریکہ اور نیٹو کو اس معاشی معجزے کا یقین ہے۔ یہ ڈوبتی کشتی ہے جس پر ہم ایک دفعہ پھر سوار ہوتے جاتے رہے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ امریکہ، افغانستان اور بھارت سے مل کر ہماری بقا ہے، ہم امن کی زندگی گزار سکیں گے۔ لیکن شاید اس سے بڑا سراب اور کوئی نہیں۔ ڈوبتی معیشت اور ہچکولے کھاتی کشتی پر سوار ہونا چلو چند سال بعد اس کا ماتم کریں گے۔

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نصائح

☆مسلمانوں کے لیے دین ودنیا کی عزت اور کامیابی رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہے اس کے علاوہ سب اسباب ذلت کے ہیں۔

☆دین ودنیا کی رونق غرباء سے ہے اور امراء تو بے رونقی کا سبب ہیں جن امراء کے دلوں میں دین کی عظمت کی دولت موجود ہے وہ خوش نصیب ہیں اور نیک بخت ہیں۔

☆بعض لوگ ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی نفع نہیں ہوا کیا یہ نفع نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہو۔

☆جس کالج کے ماحول اور تعلیم سے دین سلب ہوجائے وہ کالج نہیں فالج ہے۔

☆حد سے زیادہ تجاوز کرنا کسی چیز میں پسندیدہ نہیں۔

☆شیخ کامل کی حالت عوام کے مشابہ ہوتی ہے وہ عوام میں ملا جلا رہتا ہے اس کی کوئی امتیازی شان نہیں ہوتی۔☆راگ اور راگنی آفت کی چیز ہے یہ ایک قسم ہے اس میں کودنے کی اجازت نہیں۔

☆جس طرف اہل حق علماء صلحا اور اتقیاء متوجہ ہوں وہ درویش کامل ہے اور جس کی طرف اہل دنیا، صاحبِ ثروت اور فساق وفجار مائل ہوں وہ درویش نہیں۔

☆درویش کامل کے ماتھے کا نور عقل مند کے ساتھ چھپا نہیں رہتا۔

☆جب میں کسی کو لباس پوشاک میں تکلف کا پابند پاتا ہوں تو دو باتوں کا خیال آتا ہے ایک یہ نکما آدمی ہے دوسرا پست حوصلہ ہے کیونکہ اگر اسکی کسی بلند مقصد کی طرف نظر ہوتی تو اس میں وقت ضائع نہ کرتا۔

☆اہل اللہ کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی سے پیش آنا اپنی عاقبت کو برباد کرنے کے مترادف ہے۔

☆جو شخص حاصل شدہ نعمتوں پر ہر وقت نظر رکھتا ہے تو فطری طور پر اس کے دل میں شکر کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔

☆دنیا کے تمام فنون میں جاننے والے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے ایک انجینئر سے آنکھ کا علاج پوچھیں تو کہے گا میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔ کسی ڈاکٹر سے قانون کی بات معلوم کریں وہ جواب میں کہے گا۔ میں قانون دان نہیں مگر دین اسلام کو ایسا لاوارث سمجھ لیا گیا ہے کہ ہر شخص اپنی رائے زنی کرتا ہے۔ وہاں یہ

نہیں کہتا کہ میں عالم نہیں ہوں۔☆ وہم بذاتِ خود ایک مستقل مرض ہے۔

☆ انسان کو اچھے کام میں لگنا چاہیے اس کی ضرورت کہ نفع کا ہونا بھی اس کو معلوم ہو۔

☆ دین کے مقابلے میں مصلحتیں کوئی چیز نہیں حقیقت میں وہ دین کی مصلحت نہیں بلکہ اپنی مصلحتیں ہیں، سو یہ مصلحت پرستی ہوئی خدا پرستی نہ ہوئی، چھوڑو ان مصلحتوں کو ان میں کیا رکھا ہے خصوصاً اہل علم کو تو ہرگز اس طرف نظر نہ کرنی چاہیے۔☆ علماء کو ضرورت ہے فقراء کی اور فقراء کو ضرورت ہے علماء کی۔

☆ جو قومیں گائے کا گوشت نہیں کھاتیں وہ بے رحم ہیں اور جو کھاتے ہیں وہ رحم دل ہیں۔

☆ ایک تو ہوتا ہے اکرام اور ایک ہوتی ہے تعظیم، صورت دونوں کی ایک ہے مگر نیت کی وجہ سے دونوں کی حقیقت میں فرق ہے۔

☆ مال کے محبین اکثر ظاہری متقی ہوتے ہیں اس لیے کہ معصیت میں روپیہ صرف ہوتا ہے اور یہ ان سے ہو نہیں سکتا۔

☆ بزرگی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے اس دوسری قسم میں اس کی کوئی بات میں غلو کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔☆ زیادہ باتیں یا زیادہ مزاح نہ کرو اس سے وقار جاتا رہتا ہے۔☆ زیادہ باتیں (فضول باتیں) کرنے سے ظلمت ہوتی ہے اور قلب سے نورانیت جاتی رہتی ہے۔

☆ محبت رعب کا زیادہ سبب ہوتی ہے کہ کہیں ناراض نہ ہو جائے اگر محبت نہ ہو اور خوف محض ہو تو وہ رعب نہیں ہوتا بلکہ وحشت ہوتی ہے۔

☆ دنیا کی ترقی بھی انجام میں متنزل ہی ہے اسی طرح دنیا کی راحت بھی کلفت ہی ہے۔

☆ جس قدر کسی کے ساتھ تعلق زیادہ ہوتا جاتا ہے اس کی ظاہر داری اور خاطر داری میں کمی ہوتی جاتی ہے۔☆ اگر اسباب بالکل نہ ہوں اور پھر کوئی توکل کرے تو یہ کوئی کمال کا درجہ نہیں ہے۔

☆ امتِ محمدیہ کا کمال اسی میں ہے کہ ہر شخص دوسروں کو اپنے سے بڑا سمجھے اس طرح سب کی عزت محفوظ رہے گی ورنہ کوئی بھی محفوظ نہ رہے۔

☆ بے مشورہ ہرگز کوئی کام نہ کرنا چاہیے۔

☆ روایات و حکایات میں بے انتہا احتیاط کریں اس میں بڑے بڑے دیندار اور فہیم لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں خواہ سمجھنے میں یا نقل کرنے میں۔

خواتین کے صفحات

خادمۃ القرآن

حضرت عائشہؓ کا عجیب خواب اور اس کی تعبیر

مؤطا امام مالک میں یحیٰ بن سعید سے روایت ہے کہ

حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

﴿رایت ثلاثۃ اقمار سقطن فی حجرتی ،

فوصفت رویای علیٰ ابی بکر ن الصدیقؓ﴾

ترجمہ: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ تین چاند میرے حجرے میں گرے ہیں ۔ میں نے اپنے خواب کا تذکرہ (اپنے والد محترم) حضرت ابوبکرؓ سے کیا''۔

طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ ابوبکرؓ نے پوچھا:

تم نے اس خواب کی کیا تعبیر کی ہے؟

میں نے عرض کیا: (اولیتھا ولداً من رسول اللہ ﷺ)

ترجمہ: ''میں نے اپنے طور پر یہ تعبیر کی ہے کہ میرے ہاں رسول اللہ ﷺ سے اولاد پید ہوگی''۔

یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ خاموش رہے۔

پھر جب رسول اکرم ﷺ کا انتقال ہوگیا اور آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن کئے گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے (خواب کی تعبیر کے طور پر) فرمایا:

(ھذا احدآ اقمارك وھو خیرھا)

ترجمہ: ''تمہارے ایک چاند یہ ہیں اور بقیہ دو چاندوں سے بہتر ہیں''۔

[مؤطا امام مالک، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی دفن المیت، ۱،۲۳۲]

بعد میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن ہوئے، یوں تین چاند مکمل ہوئے۔

سات بیٹیوں کی برکت سے ایک آدمی جہنم سے بچ گیا

تاریخ میں ایک دلچسپ واقعہ ملتا ہے، وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

ایک شخص ہاں صرف بیٹیاں تھیں۔ ہر مرتبہ اس کو امید ہوتی کہ اب تو بیٹا پیدا ہوگا مگر ہر بار بیٹی ہی پیدا ہوتی۔ اس طرح اس کے ہاں یکے بعد دیگرے چھ بیٹیاں ہوگئیں، اس کی بیوی کے ہاں پھر ولادت متوقع تھی۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں پھر لڑکی پیدا نہ ہو جائے۔ شیطان نے اس کو بہکایا، چنانچہ اس نے ارادہ کرلیا کہ اب بھی لڑکی پیدا ہوئی تو اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا۔

اس کی کج فہمی پر غور کریں! بھلا اس میں بیوی کا کیا قصور؟ رات کو سویا تو اس نے عجیب وغریب خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ قیامت برپا ہو چکی ہے، اس کے گناہ بہت زیادہ ہیں جن کے سبب اس پر جہنم واجب ہو چکی ہے۔ لہٰذا فرشتوں نے اس کو پکڑا اور جہنم کی طرف لے گئے۔

پہلے دروازے پر گئے تو دیکھا کہ اس کی ایک بیٹی وہاں کھڑی تھی جس نے اسے جہنم میں جانے سے روک دیا۔ فرشتے اسے لے کر دوسرے دروازے پر چلے گئے، وہاں اس کی دوسری بیٹی کھڑی تھی جو اس کے لیے آڑ بن گئی۔ اب وہ تیسرے دروازے پر اسے لے گئے وہاں تیسری لڑکی کھڑی تھی جو رکاوٹ بن گئی۔ اس طرح فرشتے جس دروازے پر اسے لے کر جاتے وہاں اس کی ایک بیٹی کھڑی ہوتی جو اس کا دفاع کرتی اور جہنم میں جانے سے روک دیتی۔ غرض یہ کہ فرشتے اسے جہنم کے چھ دروازوں پر لے گئے مگر ہر دروازے پر اس کی کوئی نہ کوئی بیٹی رکاوٹ بنتی چلی گئی۔ اب ساتواں دروازہ باقی تھا۔ فرشتے اس کو لے کر اس دروازے کی طرف چل دیئے۔ اس پر گھبراہٹ طاری ہوئی کہ اس دروازے پر میرے لیے رکاوٹ کون بنے گا؟ اسے معلوم ہوگیا کہ جو نیت اس نے کی تھی غلط تھی۔ وہ شیطان کے بہکاوے میں آ گیا تھا۔ انتہائی پریشان اور خوف ودہشت کے عالم میں اس کی آنکھ کھل چکی تھی اور اس نے رب العزت کے حضور اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور دعا کی:

”اللھم ارزقنا السابعة“

ترجمہ: ”اے مجھے ساتویں بیٹی عطا فرما“۔

اس لیے جن لوگوں کا قضا وقدر پر ایمان ہے، انہیں لڑکیوں کی پیدائش پر رنجیدہ خاطر ہونے کی بجائے خوش ہونا چاہیے۔ ایمان کی کمزوری کے سبب جن بدعقیدہ لوگوں کا یہ تصور بن چکا ہے کہ لڑکیوں کی پیدائش کا سبب ان بیویاں ہیں، یہ سراسر غلط ہے۔ اس میں بیویوں کا یا خود ان کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ میاں بیوی تو صرف ایک ذریعہ ہیں، پیدا کرنے والی ہستی تو صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے لڑکا دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے لڑکی دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔ ایسی صورت میں ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اللہ کی قضا وقدر پر راضی ہو۔ اللہ نے سورۂ شوریٰ میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿لله ملك السموت والارض يخلق مايشآء يهب لمن يشآء اناثاو ويهب لمن يشآء الذكور. اويزوجهم ذكرانا واناثا ويجعل من يشآء عقيما،انه عليم قدير﴾ [سورۂ شوریٰ، آیت:۴۹،۵۰]

ترجمہ: ''آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، یا پھر لڑکے اور لڑکیاں ملا جلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے''۔ [سنہری کرنیں، صفحہ۲۴]

باون لاکھ درہم، پھر بھی زکوٰۃ واجب نہیں

ایک مرتبہ سیدہ اسماء بنت ابوبکرؓ کھجوروں کی گٹھلیاں سر پر اٹھائے ہوئے مدینہ طیبہ کے اطراف سے شہر کی طرف جا رہی تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ اونٹنی پر سوار وہاں سے گزر رہے تھے اور ان کی سالی بھی تھیں اور پھوپھی زاد بھائی زبیر بن عوامؓ کی بیوی بھی۔ آپ ﷺ نے ساربان سے کہا: ''رک جاؤ، رک جاؤ۔ اسماء کو سوار کر لیں''۔

آپ ﷺ نے اسماء کو اونٹنی پر سوار ہونے کی دعوت دی۔ وہ فرماتی ہیں: ''میں نے اپنے خاوند زبیر کی غیرت کو یاد کیا اور اونٹنی پر سوار ہونے سے معذرت کر دی''۔ [بخاری:۵۲۲۵، مسلم،۲۱۸۲]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیدہ اسماءؓ نے اونٹنی پر بیٹھنے انکار کیوں کیا؟ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سواری پر بیٹھنے سے انکار؟ وہ مقدس اور پاکباز ہستی، طاہر، مطہر، معصوم نبی ﷺ۔ کیا خاوند ناراض ہوتا؟ ہرگز نہیں! یہ کیسے ممکن ہے؟ مگر دراصل یہ سیدہ اسماءؓ کی غایت درجہ کی خاوند کی فرمانبرداری اوراس کے جذبات کا احترام تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بھی سواری پر بیٹھنے سے معذرت کردی۔

کچھ عرصے کے بعد ان کے والد محترم ابوبکر صدیقؓ نے ان گھوڑا اور نگہداشت کے لیے خادم عطا کیا۔

سیدہ اسماءؓ نے اپنے خاوند کے ساتھ مشکل حالات پر صبر کیا، تنگی اور ترشی میں گزارا کیا اوراس کا نتیجہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وافر مقدار میں رزق عطا فرمایا اور جب حضرت زبیرؓ نے وفات پائی تو آپ جانتے ہیں حضرت اسماءؓ کو ترکہ میں کیا ملا؟

وہ عورت جو کھجوروں کی گٹھلیاں اکٹھی کر کے لایا کرتی تھیں، اسے باون لاکھ درہم ترکہ میں ملے۔ اور یہ حضرت زبیرؓ نے حرام کی کمائی سے یا لوگوں کا مال چھین کر جمع نہیں کئے اور نہ ہی لوگوں کو قربت رسول اور حواری رسول ہونے کا وسیلہ دے کر اکھٹے ہوئے بلکہ انہوں نے تجارت کی اور حلال ذرائع سے مال اکٹھا کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماءؓ کے خاوند کے پاس ایک ہزار کارندے تھے جوان کے لیے کام کرتے اوراس کا حصہ ان کو دیتے تھے۔ اتنا رزق، اتنی جائیداد اور مال ودولت کے باوجود ان پر کبھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی کیونکہ انہوں نے کبھی مال ودولت ذخیرہ نہیں کیا نہ اس کے انبار لگائے۔ حضرت اسماءؓ کے پاس جب کچھ نہ تھا، فقر وفاقہ تھا وہ اس حال میں بھی گھبرائی نہیں اور واویلا نہیں کیا اور مال ودولت آئی تو فخر وغرور کا اظہار نہیں کیا اور ساری زندگی خیر کے کاموں میں، لوگوں پر احسان کرنے میں اور نیکی کرنے میں گزاردی۔ [اسد الغابہ، جلد۲، صفحہ ۳۰۹]

ہر ہر قدم پر سال بھر کے روزے اور سال بھر تہجد کا ثواب لینے کا نبوی نسخہ

سنن اربعہ میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن اچھی طرح غسل کرے اور سویرے سے ہی مسجد کی طرف چل دے، پیدل جائے سوار نہ ہو اور امام سے قریب ہو کر بیٹھے خطبے کو کان لگا کر سنے، لغو نہ کرے تو اسے ہر قدم کے بدلے سال بھر کے روزوں اور سال بھر کے قیام کا ثواب ہے۔ [تفسیر ابن کثیر، جلد۵، صفحہ ۳۵۷]

خانقاہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ

حِلّیَّہ

فیصل آباد پاکستان

کے گذشتہ شمارے

آن لائن پڑھیے

1430 H -2008

1431 H - 2009

1432 H - 2010

1433 H - 2011

1434 H - 2012

1434 H - 2013

1435H - 2014

انٹرنیٹ ایڈریس

www.milliafsd.com

MONTHLY MAGAZINE **Millia** FAISALABAD PAKISTAN
JAMIA MILLIA ISLAMIA
Reg:M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@yahoo.com Fax # 041-8502213